

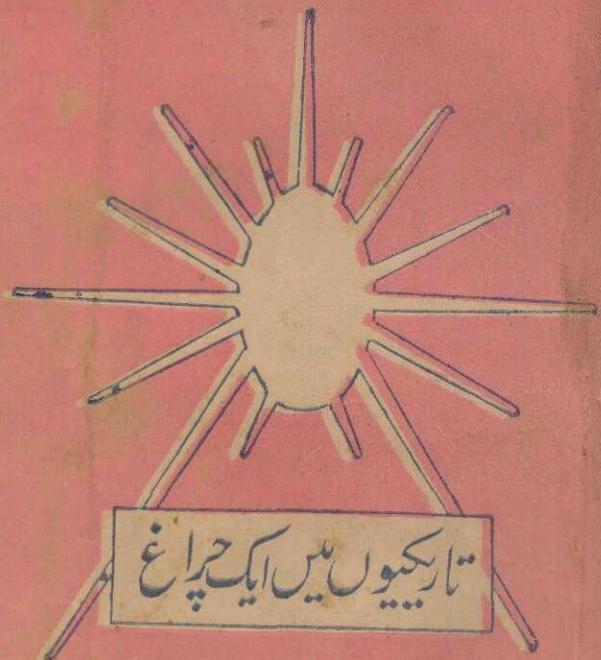
دیوبندی
جعفری

دینی و علمی ماهنامہ

زوال و ترقی

جب تک لوگوں کے سامنے بڑے بڑے
علماء کا علم رہے گا، وہ دین میں ترقی کرتے
رہیں گے اور جب ناد افقوس کا علم شروع
ہو جائے گا، تو بر باد ہو جائیں گے۔

(حضرت عبداللہ بن مسعود)



میر، عاصم عثمانی (ناصیل دیوبندی)

یہ شمارہ - ۱۰۰

سالانہ

وسیروں



جلد ۲۰ - شمارہ ۸۵

ہماماں مکمل پتہ
دفتر تجليٰ
دیوبند (دیوبنی)

فہرست مضمایں ماہ اکتوبر ۱۹۷۸ء

۱	عامر عثمانی
۱۱	"
۲۲	مولانا ابوالاعلیٰ مودودی
۳۲	"
۳۵	شمس توید عثمانی
۴۳	عبدالمجید شاداب
۵۰	ایشیا
۵۲	"
۵۶	ملا ابن العرب مکی
۶۲	عامر عثمانی

اگر اس دائرے میں سرخ نشان ہے تو بھی نجیم کے
اس پر چہرہ آپ کی خریداری قائم ہے۔ یا تو منی آرڈر سے سالانہ
قیمت بھیجیں یا وی پی کی اہازات دیں۔ آئندہ خریداری جاری نہ
رکھنی ہو تو بھی اطلاع دیں۔ خاموشی کی صورت میں اگر پرچہ
دی پی سے بھیجا جائے گا جسے دھوکہ کرنا آپ اخلاقی فرض
ہو گا۔

دو یا گیت اڑ رہے کا ہو گا، منی آرڈر بھج کر
آپ دی پی خرچ سے نجیم ہوں گے۔

ہندوپاک دش روپے
دیگر ممالک سے بذریعہ بھری ڈاک ایک روپے
دش شلنگ
دیگر ممالک سے بذریعہ ہوائی ڈاک
تین روپے

لوٹ پشنل آرڈر کی فلک میں سادہ
بھیجئے۔ ان پر کچھ بھی لکھنے کی ضرورت
نہیں

پاکستان کا پتہ

مکتبہ عثمانیہ ۲۲۸۰ میتا بازار
پیر الہی بخش کالونی - کراچی (مغربی پاکستان)
پاکستانی حضروات:- مندرجہ بالا پتہ پر منی آرڈر
مکمل رسمیت میں بھیج دیں جو منی آرڈر کرتے وقت
ڈاک گانے سے متعلق ہے۔

قیمت - ایک روپہ

عامر عثمانی پر نظر پبلیشنری نیشنل پرنسپل پس دیوبند سے طبع کرائے اپنے دفتر تجليٰ دیوبنی شائع کیا۔

آغازِ سخن

اگر آج کی صبحت میں ہم حضرت مولانا الفتحانی کے ایک تازہ پیشہ پارے پر توجہ اور وقت صرف کرو رہے ہیں تو اسے تفیض اوقات نہیں بھختا چاہیے۔ اور سچدربھ کی تلقین علیہ شخصیتوں کا تحفظ ہو جائے تو پھر ایسی شخصیتیں بقیٰ مقتنم بھی جانی چاہتیں چڑیا دہ اوپھی نہ ہوں تو زیادہ پیچھی بھی نہوں ہم ایں اپنے نظر سے اتفاق نہیں رکھتے جو مولانا ہو صوف کی شخصیت کو فکر و تدبیر کے اعتبار سے کوئی اہمیت دینا پسند نہیں کرتے۔

ابھی ستر ہی کے چینی میں صدر حجۃ بن منیع ایک اداریہ حوالہ فلم فرایا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قسمِ حد مذہبِ مسلمانوں کی طرح ان کی توجہ بھی امتِ مسلمیہ سائل کی طرف بر ابر لکی ہوتی ہے اور گوشت خلوت میں بھی ان کا ذہن دین و ملت کی طرف سے غافل نہیں ہے۔ ان کا یہ اداریہ ہم نے بڑے شوق اور بیتابی سے پڑھا۔ ماضی میں افسوس کی طرف سے افراد امتِ مسلمیہ کی موجودہ حالت پر مضطرب اور اداہ شجاعت کے گم ہو جانے بر جیران و سرگشته میں افسوس تو کسی بھی ایسے چمکدار نقطے کی طرف شوق اور بیتابی کیسا تھا لیکن اسی چاہتی جس سے روشی کی معنوی سی بھی کرن پھوٹنے کی امید ہو۔ یہی امید کے کر ہم اس ادارتیے کی طرف پکے تھے اور حق یہ ہے کہ یہ لپکنا بالکل بیکار بھی نہیں گا۔ اس میں ہمیں تھیں مرض کی حد تک وہی سیدھا سادِ مسلمانوں جیسا صادر قیامتیں نکرے

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مسٹر نعیانی کو تادیر زندہ رکھے۔ یہ تو الگ بات ہے کہ اہل نظر اخیں فکر یا جاہد تسلیم کریں یا نہ کریں بلکہ یہ تو ماننا ہی ہو کا کہ وہ ہمارے دور کی ایک معروف شخصیت ہیں۔ ایسی شخصیت جو قرآن و سنت کے علوم پر سند نہ ہی اس سے بہرہ ور حضور ہے۔ ان کی رودادِ زندگی اس پر گواہ ہے کہ دین و ملت کی خدمت کا جذبہ ان کے اندر رہیشہ موجود رہا ہے اور اسی نے ان کو ایک عرصہ دراز تک جماعتِ اسلامی سے جوڑے رکھا۔ پھر جماعتِ تبلیغی اور علم مجلس مشاورت سے مغلک کر دیا اور بھر ان سے کاٹ کر ایک ایسی راہ پر لادِ الاحسان کے سفار اور رہنمایا بھی شک وہ خود ہی ہیں اور پچھلے نہیں کہا جا سکتا کہ خدمت کی لئن اور خیر خواہی کی تحریکِ کلبِ انہیں اس راہ سے ہٹا گرسی اور راہ پر لگادے گی یا پھر زندگی کے باقی ایام وہ اسی راہ پر گزد از ناپسند کریں گے۔

مناقب بدلا نہیں کرتا بلکہ خلص دن میں دس بار بدال سکتا ہے۔ حسن طفل سے کام لجھے تو ضروری نہیں کہ ہر تبدیلی کی توجیہ مزاج کے ملوٹ اور فکر کی ناچیکی سے کی جائے مولانا کے اس مہتر لزل کردار اور تغیر پسند اور طرزِ عمل کو اگر ہم زاویوں کی تبدیلی کا نام آدمی دیں تو یہ ایک اچھی توجیہ ہوگی جس کی مثال ایک ہی متنظرگی ان مختلف تصویریں میں مل جاتی ہے جو رُخ اور زاویے بدال کر لی گئی ہوں۔

اس تہیہ کا منتشر فارمین کو یہ اطمینان دلانا ہے کہ

ادا کر دیا۔
و عظوظِ نصیحت اور منافع مذکور بھی معمولی خدمت نہیں۔ بے شک ان کی بڑی اہمیت ہے اور جو لوگ ان کی اہمیت سے انکار کریں انھیں بے ادب اور بدینصیب کہنے میں ذرا بھی تأمل نہ ہونا چاہیے لیکن جس نازک اور اہم تر مرحلے پر فکر و استدلال اور قیادت و رہنمائی کی ضرورت درپیش ہو دہاں بھی الگ و اماندہ و مہرشتہ الہ کارواں کو وعظ و نصید کے چند میٹھے بول ہی سننے کو بلیر تو یہ ایسا ہی ہو گا جیسے بھوک کارے ہوشے ساتل کو غذا کے عوض غذائی اجناس کے یحیوں کی بچھو تصوریں پکڑتے ادی جائیں۔

آئیے ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا نے کیا کچھ کہا ہے اور ان کے پاکزہ ارشادات کی لفظی تہیں کیا اسی تجھے مجھ مغز سے خالی ہیں یا ہماری اپنی ای کلم فرمی اور کوئی نکاحی اس مغرب کے پہنچنے سے قاصر ہی ہے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

”ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ تم مسلمان

و دسری قوموں کے نے لقمة تر اور غفت لیغا

بن جاؤ گے۔ عرض کیا گیا کہ کیا اس وقت

ہم یا میں اسیت تکھوڑے رہ جائیں گے اور

قلبت تعدادی وجہ سے ہمارا یہ حال ہو گا جا۔

آپ نے فرمایا، ”نہیں اُس وقت تم دنیا میں

بہت بڑی تعداد میں ہو گے لیکن سیلا بکے

کو طرے کر کر کٹ کی طرح بالکل بے وزن اور بے جان

ہو گے۔ تھمارے دشمنوں کے دل سے اللہ تھارا

رعاب اور تھاری ہیئت نکال دے گا اور تھارا

دلوں میں دہن آجائے گا۔ کسی نے عرض کیا

کہ حضرت دہن کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا

”حُكْمُ الدُّنْيَا وَ كَوَافِهُ الْمَوْتُ۔ یعنی

دنیا کی جنت اور موت کی ناخنگواری۔“

موجودہ حالات پر اس پیش گوئی کا اطلاق جس

ملائجس کی اصطلاح پر ہم پہلے بھی یقین تھا اور آج بھی یقین ہے۔ کون صحیح الفکر مسلمان اس میں شک کر سکتا ہے کہ مسلمانوں کی بے نہایت خستہ حالیِ ذلت و خواری اور ضعف، پر آگئے گئی کامیابی سبب ان کا وہ شبب نگہدار ہے جس کی پیشانی پر طلبِ دنیا، نفس پرستی اور عاقبتِ فراموشی کے عنواناتِ جلی حروفِ میثاث ہم مدد دوسری پاکیزہ نوع کی سرخیاں ہیں تو ضرور مکر باطل باریکے لفظوں میں ذیلاً اور ضمناً۔

مگر اس بنیادی اور پولنک ترین خرافی کا ازالہ کیونکر ہو؟ — کوئی نسخہ شفا ہے جو اس طویل مہندی بیماری کا مدوا بن سکتا ہے؟ کس طرح بھٹکی ہوتی امانت کو راہ راست پر لانا محکم ہے اور کوئی سنا پر وکر ام بیچ جو بیعمل کر کے غلط سمت میں جاتی ہوئی گاڑی کا کامیخ صحیح سمت میں ہو تو اجا سکتا ہے؟

یہ ہیں وہ سوالات جو دراصل ایک ہی سوال کے مختلف پرائے اور اسلوب ہیں۔ یہی سوال ایسی تماں تر ہے تباکیوں اور تحسیدگیوں کے ساتھ فکر و تدبر کی براہ پر منہج پھیلائے کھڑا ہے اور اسی کے واضح قابلِ ہم اور حقیرت پر ندازہ جواب کے لئے بے شمار تکھیں فرش را اسے نسبت شمار تکھوڑ بہہ تیک گوش اور بے شمار دماغ لفظوں پر انتظار ہیں۔ ہم بھروسے تھے کہ مولانا العمالی کا ادارہ یہ اس سلسلے میں شاید کوئی رہنمائی دے سکے چاہکر اسے ہماری بدستی کیتے یا نا اعلیٰ کہ اس ادارہ یہ کو طہر کر اس کے سو اکوئی بھی تاثر نہیں نہ مل سکا کہ امانت مسلمان کے تھے بر تھے مسائل کے ریگستان میں تحریر، تعطیل، بے سبی اور ممکن شکل کی کا جو مرحلہ زید عمر پکر کر درپیش ہے وہی مولانا موصوف کو بھی درپیش ہے اور ان کے تازہ ادارہ یہ کامحریک کوئی فکری استحضار نہیں بلکہ وہ سادہ سادہ تھے تذکرہ جس کی پیاس حند و اغظانہ نوع کے پاکیزہ الفاظ اور فقرے بہتر اساتذہ بھادار ہے میں اور ناصح مشفق اپنی بیوی انجام دے کر مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس نے حق خدمت

داعیان و ائمہ سے بڑھ کر وہ اس بات سے واقف ہیں کہ غلط تحریک ہے اور تصریح کیا۔ معالجہ کیوں نکر سکتا ہے اور کیوں نکر نہیں ہو سکتا۔

آپ انعام فرمائے کیجئے۔ اگر ایک بزرگ حقیقتاً ایسے ہی دانوبینا ہوں اور پھر بھی وہ چنان تجمل و سبب فقر و اور جنبد آٹھے تو رچھے نشرون کے سوا کوئی پتھ کی بات قلم ہے نکال کر نہ دیں تو ہمارے احتجاج کو گستاخی اور فریاد کو حالت کہنا گہاں تک برق ہو سکتا ہے۔

پیر اور مرتبہ کہلوایجئے کہ ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شخص پر لعین ہے کہ ہمارے زوال کا بنیادی سبب ڈھن ہی ہے اور اس دعوے سے بھی ہم کلی طور پر منتفق ہیں کہ دنیا کی محبت اور موت کی کراہت اگر اہل اسلام کے دلوں سے نکل جائے تو ان کے سارے ہمیں دلدار دور ہو سکتے ہیں۔ ان کی عظمت و فتنہ کی نکری درجے میں واپس آسکتی ہے۔ وہ دنیا میں پھر سے معزز اور باوقار ہو کر جی سکتے ہیں۔

لیکن سوال پھر وہی پیدا ہوتا ہے کہ دلوں کی یہ لوٹ پلٹ ہو کیسے اور ایمان کے اس زنگ کی جھلک ہم پر بخوبی میں پیدا کیں اس طرح کی جائے جس کے نقدان نے ہماری ہٹی پلی۔ کی ہے۔ یہ سوال بے حد تبھی ہے۔ حدود جماعت اور عین۔ اس سوال پر بے شمار اونچی صلحاءتوں کے اہل ایمان برابر غور کرتے آئے ہیں اور اپنی اپنی صواب دیدا اور ہم و تدبیر کی بساط کے مطابق اس کا صرف نظری ہی نہیں عسلی جواب بھی پیش کرنے کی محاصلہ جدوجہد کرتے رہے ہیں۔

اب یہ تو ایک خیر طریق ہو گا کہ آج کے کسی بزرگ کی بھوئیں اگر کوئی خاص ایکم یا تجویز اس سلسلے میں آئے تو وہ اسے ایجادی اسلوب میں تصریح و تفصیل کے ساتھ اہم کے سامنے رکھدیں اور اسی کے خطوط پر یعنی سرگرمی بھی ان کی طرف سے ظہور میں آئے۔ لیکن پیاری سخیوں کا نہ ہر نہیں کہا جاسکتا کہ وہ رہنمائی تو کچھ نہ دیں مگر دوسرا دعا یعنی حق اور مدد اور کوہ دفت اعراض بنانے کر جندا ہوں پر گفتگو نہیں کریں۔ معاملہ الگ ہماری ہی کم نہیں کا ہو تو نیجے ہم موصوف

بدراہت و صراحت کے ساتھ ہوتا ہے اس کے اعتبار سے اسے آئینے کا نام دے لیں تو کوئی مبالغہ نہیں۔ رسول کریمؐ کے ایسے ارشادات کا ذکر و بیان ایک باہر گفت اور با ایت فعل ہے اس میں بھی شک کی گنجائش نہیں۔ لیکن برکت و ثواب ہی اگر اہم کے زلف در زلف مسائل کا حل ہے سکے تو درود اور حکم کی تسبیحات ہی کیا بہری ہیں اے ضرورت تو ہمیں اس کی تھی کہ مولانا نے محترم اس حدیث کو زیر کلام بنانے کے بعد یہ بھی رہنمائی دیتے کہ اس ہمہ بگوارد عین و عیض ڈھن کو دوڑ کرنے کی ترتیب کیا ہوئی چاہئے جس نے پوری اہم سلسلہ کا خانہ خراب کر کے رکھ دیا ہے مگر وہ چنِ خوش منظر فقروں پر بات ختم کر دیتے ہیں اور کم سے کم ہم جیسا مشتاق قاری اس پیاس سے رناری طرح ترٹ تارہ جاتا ہے جسے ساقی جام کی آس تو بندھاتے مگر پھر متخل نے میں قفل ڈال کر چلتا ہے۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ تم نہ اس ہی کیوں باندھی تھی۔ تم نے یہ کیوں فرض کر لیا تھا کہ ایک داعظِ خوش گفتانہ کے دست عطا سے تھیں تکر و تذہب کے موئی بھی صرور ملیں گے۔ آئینہ رُخا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھ دینا بجائے خود ایک مکمل کام ہے۔ اسے تم نے نسی اور کام کی پہنچید سمجھ لیا یہ تھاری اپنی سادہ لوحی ہے جس کی ذمہ داری مولانا لفغانی پر عائد نہیں ہوتی۔

ہم عرض کریں تھے کہ مولانا نے محترم اگر اس حدیث کے ذیل میں صاف صاف یہ کہدیتے کہ اس حدیث کی مشعل نے کمر میں نے بنادی مرض تو تشخص کر دیا اگر علاج درمان کی راہ میں سمجھانا یا شخخ تجویز کرنا میرے بیس کی بات نہیں تھی تو ہمیں عرض و معروض کی زحمت ہی اٹھا۔ انہیں تھی تو ہمیں عرض و معروض کی زحمت ہی اٹھا۔ انہیں تھی مگر صورت حال یہ ہے کہ حدیث کے زیر سایہ علم و تفہم کے جو موئی احفوں نے بھیرے ہیں ان سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ ہے بیس ہیں بلکہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نسخہ شفاف کا انھیں علم ہے اور اصلاح حال کے میدانوں میں کام کرنے والے ہمیں نامیر اسا طین و قائدین اور

موصوف کی دانست میں یا تو بد دیانت ہے یا منافق۔ بد دیانت اس وجہ سے کہ اگر وہ دیانت کا استعمال کرتی تو مولانا ہی کی تصریح کے مطابق اس کے خور و نکر اور جد و جہد کا راستہ وہ ہرگز نہ ہوتا جس پر وہ بحالت موجودہ گامز نظر آرہی ہے۔ اس مسودا درجہ تعداد نے دیانت کو بالائے طاق رکھ دیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص فرمائی تھی اسے سامنے سے ٹھکارا جھکل کی عام مادہ پرستانہ نظم سے غذائے فکر فراہم کی۔ یہ حجت بد دیانت کی دلیل ناطق ہے اور اگر یوں سمجھا جائے کہ اس نے دیانت تو استعمال کی اور محسوس بھی وہی کیا جو مولانا کی تصریح کے مطابق یقیناً اسے محسوس کرنا چاہئے تھا۔ لگنے والے عمل اس احساس کے مطابق تیار نہیں کیا بلکہ وہ تو سے خطوط پر چل بکلی تو نفاذ اسی بے راہ روی کا نام ہو گا۔ بد دیانت یا منافق۔ ان دونیں سے ایک لقب بھال اس کے حق میں طے پا گیا ہے۔ دونوں سے انکار شیخعہ تو پھر کہنا پڑے گا کہ وہ حد در جمیعیتے تو فتن اور کاہل ہے۔ اتنی کاہل کہ میراث نبوت کا عنوان پانے والا جو مقدس علم اس کے پاس موجود تھا اس سے بھی اس نے رہنمایا بن کر سوچنے کی نیمت گورا نہیں کی اور کسی بے توفیق عہدی کی طرح غلط را ہوں پر لوث لکھی چل گئی۔

ہم کچھ نہیں سمجھیاتے کہ ان مطالب کا آخر مصرف کیا ہے اور مولانا نے عامانی اگر واقعی اتنی بے کنار تر فتح گھاہی کے حامل ہیں تو کیوں نہیں وہ مکمل کر بتاتے کہ آج کے حالات میں فکر و تدبیر اور جد و جہد کا وہ تج راستہ کو نہیں ہے جس کے علم و معرفت کو وہ اپنے نہایت دماغ میں جھپکائی ہیں۔ صراحتست قیم کے علم اور معرفت کے بغیر کیسے ممکن ہے کہ غیر مستقیم را ہوں کی زندگی کی جاسکے۔ آج کا ایک آدم داعی نہیں بلکہ مولانا کے الفاظ میں داعیوں کی بڑی تعداد اور معمولی داعیوں کی نہیں بلکہ نامودر داعیوں کی بڑی تعداد اور سطحی فنکر کا شکار اور غیر مستقیم را ہوں کی مسافر ہے تو اس در دنگ صورت حال کا علم و احساس اسی

کے فرمیدے کو لفظ بہ لفظ نقل کئے دیتے ہیں۔ ہم سب تر فہم رکھنے والے اس سے کوئی مغز برآمد کر لیں گے تو یہ ایک غیر معمولی خوشی کی بات ہو گی۔

انھوں نے خداوت دین و ملت اور عیی اصلاح کے میداں میں کام کرنے والوں کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

”ان میداون ہیں کام کرنے والے دین کے واقفین“

حامیلین بلکہ اس کے نامور داعیوں نکل میں بڑی تعداد آپ کو ایسے ہی حضرات کی ملے گی جو اگر خود دیانت داری سے اپنا اور اپنے طرزِ فنکر کا جائزہ اس نقطہ نظر سے میں تھے تو یقیناً محسوس کریں گے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی ہم بینادی تیضیح کو ملئے رکھ کر اپنا لامتحب عمل اور راستہ طے نہیں کیا ہے بلکہ اس دور کی عام مادہ پرستانہ ضمایں جس طرح سوچنے والے عام طور سے سوچتے ہیں اُسی طریقہ پر اور اسی کی روشنی میں انھوں نے بھی سوچا ہے۔ کاش وہ اپنے اس علم کو راہنمایا بن کر سوچیں جس کو وہ میراث نبوت کہتے ہیں تو یقیناً ان کے خور و فکر اور ان کی جد و جہد کا راستہ دوسرا ہو گا۔“

یہیں اداری ختم ہو گیا ہے۔ اس رسماں کے مطابق تحریۃ و تحلیل کے ذریعے دریافت کیجئے تو دو باتیں وضاحت کے ساتھ سامنے آئیں گی۔

ایک یہ کہ دنیا میں آج قدر بھی مصلحین اور اور داعیان حق اصلاح و تطہیر کے کام میں لگے ہوئے ہیں ان سب کے طرزِ فکر، طریقہ کار و اور لا تحفہ عمل سے مولانا خوب واقف ہیں۔ واقف نہ ہوتے تو ایسا دردٹوک اور قطعی نوع کا اٹھا رخیاں کیسے کرتے۔ اس طرح کا اٹھا رخیاں وہی تیضیح کر سکتا ہے جس نے وسیع مطالعے اور طویل مشاہدے کے ذریعے اپنے دور کے تمام داعیوں کے انداز فکر اور خطوط کا رکار کو اپنے علم و اطلاع کی گرفت میں لے لیا ہو۔

دوسرے یہ کہ ان نامور داعیوں میں بڑی تعداد

علت نے پر علاقہ ہمارے ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے۔
ہر سیکت اور ذلت دخواری نے ہمارے چرے سنجھ کو کے
رکھ دیتے ہیں۔ امراءِ شکر کی تماانہ، بیرین علیم کی طوفانی
یلغار کے آگے خاک میں ملتی جا رہی ہیں۔ فرد پریشان
ہر سال ہے۔ ایسے میں ایک فرشتہ صورت بزرگ
خیسے سے سر نکال کر کہتے ہیں کہ الحقو انھارے امراء
لشکر دیانت دار نہیں، صاحبِ ہم نہیں، صحیح الفکر
نہیں۔ وہ غلط چالیں چل رہے ہیں، غلط سمت میں چد
چھڈ کر رہے ہیں۔ وہ اگر اپنے علم فہم کو دیانت اور
کے ساتھ رہنمایا بنائے غور و فکر کریں تو کامیابی کی
راہ بالکل سامنے ہے۔ الہمما درنا الحق حقاً
اسرا نے قانا اتباعہ و ارنا اباطل باطل و ارزقنا
اجتنابہ۔

ان مفاسد جملوں کے بعد وہ سرخی کے اندر کر لیتے
ہیں اور ہم جسے بے شمار سامعین بہوت کھڑے رہ
جاتے ہیں کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔

یہ حاشیہ آرائی نہیں بلکہ واقعہ ہے کہ جو فرمودہ
مولانا نعمانی کا ہم نے اسپن میں نقل کیا اس کا اختتام
اس عسری دعا پر ہوا ہے۔ دعا بڑی اچھی چیز ہے کہ جس
مرحلے میں ہمارے حضرت بزرگ کو اس راہ بخات کی
نشاندہی کرنی چاہئی تھی جس کی معرفت اللہ کی خاص
غایبات سے انھیں خالی ہو گئی ہے اس مرحلے میں وہ صرف
چند چلکیاں نامور داعیوں کے ٹکھوں میں لے کر دیکھا کا
پرداہ ہمارے سامنے لٹکا دیتے ہیں اور سوائے سرگشی
تھیں اور پر اگستہ خیالی کے ہیں کچھ بھی حال نہیں ہوتا۔
آئیت یہ بھی سوچیں کہ ہمارے دور اور ہماری
دنیا سے اسلام میں کون کون لوگ ہو سکتے ہیں جن یہ ہوتا
حضرت کے ذہن رسانے نامور داعیوں کا اطلاق کیا
ہوگا۔ مولانا علی میان۔ مولانا مودودی۔ سید
قطب شہید۔ مولانا ابرار۔ یا کچھ اور لوگ؟
— نام تو یوں سارے جمالیں ملے سے دھونڈ کر بہت سارے

بانجھ نظر اور دقیقہ رہنستی کو ہو سکتا ہے جو اپنے نکلو رہا
تھی روشنی میں صاف طور پر صراحتی قیم کو دیکھ رہی ہو
اور باخبر ہو کہ آج کے کثر و بیضہ حالات میں امت کی
صلاح دین کی خدمت اور مدت کی تغیری ٹھیک ٹھیک
کس راستے پر حل کر ہو سکتی ہے۔

اندر ازہ رکھتے۔ جب ایک زادرو عابد بزرگ
اتھا تی غناک تجھے میں فرماتے ہیں کہ:-

”کاش وہ اپنے اس علم کو راہنمایا بنائے تو پھر
جس کو وہ میراث نبوت کہتے ہیں تو قیمتیان کے
غوروں نکر اور ان کی حب و چہد کا راستہ دوسرا
ہو گا۔“

تلقینی بات ہے کہ یہ ”دوسرے“ راستہ بزرگ حضرت
کے سامنے ٹھاٹ پڑا ہو گا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ایسا کہنے
والے بزرگ اپنے کلام کے میں اسطورہ میں بھی تلقین
دلار ہے ہیں کہ میراث نبوت کا عنوان جس علم کو وہ دے
رہے ہیں وہ خود ان کے پاس بہ تمام دکمال موجود ہے۔
نہ موجود ہوتا تو کیسے وہ دعویٰ کر سکتے کہ اس علم کی راہنمائی
میں کیا جانے والا غور و فکر فلاں فلاں را ہوں کو خیر مستحق
اور فلاں را اگستہ میں باور کر اسے گا۔ یہ دعویٰ کیا ہی اس
صورت میں جا سکتا ہے جب کہ دعویٰ کرنے والا میراث
نبوت و اسے علم کی راہنمائی میں غور و فکر کرنے کے بعد
پورے و توق اور اذعان کے ساتھ اس ”دوسرے“ راستے
کو پا گیا ہو جسے پالینے کی ہسترت اور تمنا وہ دوسروں کے
لئے ظاہر کر رہا ہے۔

پھر بتائیے ہمیں کیوں شکایت اور اضطراب نہو
کہ مولانا نعمانی اتنے دقیقہ رس اور صاحب علم و معرفت
ہونے کے باوجود اہم واجہاں سے آگے ہیں پڑھتے
راہ بخات ان کے علم میں ہے مگر بتا کر نہیں دیتے کہ کس
موضع سے چل کر اس پر پہنچا جا سکتا ہے۔ اس صورت حال
کی ناخوشگواری کا اندر ازہ اس مثال سے کچھ کہ ہم جو
هزار کے ایک وسیع میدان میں برابر پڑتے چلے جائے ہیں

انہیاں سے تبادلہ خیال کر کے لوٹے ہوں۔ بعض مرتبہ تو اس قرآنگداز اور نوران میں ہجوم سے فوارے کی طرح البتا ہے جیسے براہ راست خدا تعالیٰ سے یہ حقیقت کر کے آئے ہوں کہ مولانا مودودی کی تحریریک قائمت دین انبیاء کے طبق سے ہی ہوتی ہے اور مودودی صاحب کی حقیقت مفکر اسلام یاداعی حق یا خادم دین و علمت کی نہیں بلکہ سیاسی طالع آزمائی کے چوقتدار کی بھوک میں تظریق پاٹریا ہصرہا ہے۔ ان پاکستانی قدیموں کی یادیہاں ہمیں اس لئے آئی کہ ان میں سے بعض وہ ہیں جن کی معیت میں مولانا نعمانی نے جماعت اسلامی سے خروج کیا تھا۔ یہ جزوی اشتراک ایسا ہر حال ہے کہ یادیں بھی اشتراک پیدا ہوئی جاتے۔

خلافہ اس ہماری خامہ فرقہ ای کاشاید یہ نکلا کر لئا نظریں جیسے ارباب نظر پیغمبر عصر داعیان حق کا تخلیقہ اور تحقیقیں کرتے کرتے ہی اس دنیا سے چلے جائیں گے مگر یہ اچھی کرنہیں دیں گے کہ وہ صراطِ مستقیم ہے کوئی جس کی معرفت اخھیں خدا کی تخصیص عنایت سے حاصل ہوئی ہے اور جس کا بڑا ہی پیار اعنوان "طريق انہیاں" رکھا گیا ہے۔ زمانے کو سخوس قرار دینا، سیاست کو شجرِ منوعہ ٹھپیرانا، مادہ پرستانہ فکر سے غفرنظام ہر کرنا بہت آسان ہے اور یہ بھی بہت آسان ہے کہ خدا پرستی اور عاقبت اندیشی کے مناقب پر دھوکا ہمار تحریریں چھاڑ دی جائیں مگر مشکل اور مشکل ترجیحیت ہے وہ ہے استقامت مستقل مزاجی، صبر و تکیب جہدِ تکمیم، ان تمام اوصاف و خصائص کے جو عے ہی کو اولو العزمی کہا جاتا ہے اور اولو العزمی کے بغیر کبھی کسی داعی نے اس اینٹ اور تحریر کی دنیا میں تحریق ذطف کی راہ طے نہیں کی ہے۔ مولانا نعمانی کے ذمہ میں "صراطِ مستقیم" کا جو پر اسرار نقشہ ہے اسکا سراغ اگر قیاس کے ذریعے لٹکایے تو اندازہ ہوگا کہ یہ جماعتِ تبلیغی کے اختیار کر دہ راست سے بہت زیادہ مشابہ ہے۔ مگر پورا اتفاق مولانا کو اس سے بھی نہیں معلوم ہوتا اور نہ بہام داخفا کا اسلوب اختیار کر نیکے بجا ہے وہ صفائی سے کہہ سکتے ہے کہ صراطِ مستقیم بنتا ہے اور تمام مسائل کا حل جاتا ہے تبلیغی ہی کی راہ چلکر میر آستھا ہے۔

لئے جاسکتے ہیں مگر منقولہ تحریر کی ٹکنگ اور پرداز سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ صاحب تحریر کے ذمہ میں کا کیونسوں اتساز یادہ پیش کیے ہو گا۔ خدا ہی جانتا ہے مولانا کے ذمہ میں کون کوئی شخصیتیں ہوں گی۔ ظاہر کلام تو یعنی بتاتی ہے کہ بہت سی شخصیتیں ہوئی چاہئیں۔ مگر سے کم درجنوں۔ ورنہ یہ کیسے کہا جاسکے چاکر مولانا فلاں فلاں تو دین کے فقط واقعین حاملین ہے اور فلاں فلاں نامور داعی۔ اور پھر ان نامور داعیوں میں یہ اتنی بڑی تعداد فاطلانیشیوں کی ہے اور یہ نسبتاً تھوڑی تعداد صفاتیں فکر دوں کی۔ یہ درجہ بندیاں نہیں ہو سکتیں اگر مولانا کی تدقیق کا محل ہدف بننے والوں کی تعداد درجنوں سے کم ہو۔ لیکن یہیں جب چھوٹا ہے تو اس کے سو اکیا بھا جاتے کہ ساری تصویریں اس پر ایک ہی جگہ گذمڑ پوکرہ گئی ہیں۔ راقم الحروف کا ناقص خیال تو یہی کہ اس تحریر کو تکھی وقت ہو لئا کی لوح خیال پر واضح اور مشخص تصویریں فقط دوہی ہوئیں۔ مولانا علی میان اور مولانا مودودی کی یہی تصویریں ہوں گی تو ضرور مگر ان پر چھائیوں کی ماں نہ جو ایک درسرے میں گھٹ کر حمض ایک دھبہ بن گئی ہوں۔

مولانا علی میان کی تصویریں تو اس لئے واضح ہو گی کہ ابھی اضافی تصریح ہی میں محمد و حضرتم مسلم مجلس مشاورت سے منسلک رہ چکے ہیں۔ اس مجلس سے مولانا علی میان کا جو تعلق رہا وہ محجاج میان نہیں اور مولانا مودودی کی تصویریں اس لئے واضح ہو گی کہ یہ تصویریں ہی کچھ ایسی کہ جہاں ایک دفعہ چیک جاتی ہے پھر ہزار کھڑک صاف ہونے کا نام ہی نہیں لیتی۔ محمد و حضرتم نے جو داترہ نقد کے پر کار سے ٹھیکنا ہے اس کا وسطی نقطہ اگر مولانا مودودی ہی کو کہہ لیجئے تو یہ حقیقت سے زیادہ دور نہ ہو گا۔

خیر سے یا کتنا میں بھی کچھ مقدس حضرات ہیں جو طریق انہیاں کا نام بڑے زور شور سلیتے ہیں اور اس زور شور کی تان طوطی ہے مولانا مودودی پر۔ ان حضرات کا طرز کلام ایسا قدسیانہ ہوتا ہے جیسے ابھی ابھی میاں

عامر عثمانی

اہل استطاعتِ وجہ فرمائیں

ہمارے ملک میں مسلمان بخوبی اور بچبوں کی تعلیم کا مسئلہ جس تدبیح پر ہو گیا ہے تھا جیسا کہ بخوبی میں نہیں۔ عامر عثمانی میں فضاب ایسے ہی ہیں کہ اجھیں پڑھنے والی نسل کا ذہن اپنے ابتدائی اٹھان ہی میں اسلامی تصویرات سے بے تعلق اور خرافات و کفر یا سے ما نہ ہو سکتا ہے۔ چھراں فضاب کے معنیزی اثرات سے غذا پانے والا حوال جب قدر زہر میا ہے وہ بھی اپنے نظر سے تھنی نہیں۔ ایسے حالات میں الگ روایہ بند کی ایک درمند نیک نفس، ذہنی شعور اور باہمت خالوں نے مسلم بچبوں کے لئے ایک درسگاہ ایسی قائم کر لی ہے جس میں فضاب اور ما حوال دنوں کو مضرع غاصر سے پاک کر کے دین و دنیا دلوں کی تعلیم دی جاتی ہے تو بیساکھ شوالی افدا میں ہے جبکی جس قدر بھی حوصلہ افزائی کی جائے کم ہے۔ یہ درسگاہ ان باحوصلہ خالوں نے ساہیں لگدی سے جب قائم کی تھی اور اس کی تجویزی کارکردگی نے اسے نیکناہی اور شہرت کے اس درجے پر پہنچایا کہ آج مختلف عمر و نکی صدماں طبقیاں اس میں تعلیم پا رہی ہیں اور اسلامی حدود اور اخلاق کے ساتھ میں ڈھلا ہوا پاکیزہ ما حوال، عمدہ تربیت اور تحریکی تعلیم اُنکے شعور کو ایسی چلا دے رہی ہے جس کا تصویر بھی آج کے بلکہ ہوتے معاشرے میں دشوار ہے۔ راقم الحروف یہ کہنے میں فخر محسوس کرتا ہے کہ خداوس کی دو بچیاں اسی درسگاہ میں زیر تعلیم ہیں۔

لیکن مالی اعتبار سے اس درسگاہ کا کیا حال ہے۔ یہ نہ پوچھتے۔ اس کی اپنی عمارت تو درکنار اور مناسب فرشچار اور سواری وغیرہ تو کجا استانیوں کی تھوڑا ہوں تک کا انتظام بس تکلیف ہی سے ہو رہا ہے۔ نہ کوئی وقف نہ ایڈ۔ نہ خاطر خوا چندے کاظم۔ اسی لئے ہمیزی خواہش مند طالبات کا داخلہ ہی روکنا پڑتا ہے۔

ہماری نگاہ میں یہ درسگاہ یقیناً اس قابل ہے کہ اہل خیر حضرات اسے زیادہ سے زیادہ مالی تعاون دیں۔ چھوٹے بڑے دینی مدارس اور امداد کے رضاکارانہ تعاون ہی سے جل رہے ہیں۔ یہ مفید ترین درسگاہ ہی بھی یقیناً زندہ رہ سکتی ہے اگرستطیع حضرات اس کی بیادی اہمیت کا حسن کرتے ہوئے اسے بھی ان اداروں کی تحریت میں شامل کر لیں جنکی مالی مادا بخیں پابندی اور تنقل مزاجی کے ساتھ کرنی ہے۔ کہنے کی ضرورت نہیں کہ جو پسیہ دین و ملت کی بہبود پر صرف کیا جاتا ہے وہ کم سے کم دس گناہ پر کراختر کے کھلتے میں جمع ہو جاتی ہے اور جیسا کہ صادق و مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آدمی کا اپنا پسیر صرف وہ ہے جسے اس نے خود کھایا یا ہنسایا اس خدا میں لگادیا۔ باقی توسیب دوسروں کا ہوتا ہے۔

آپ بھی اپنے فاضل پیے کو را و خدا میں لگا کر لفظ سہیت تحفظ کر لیجئے۔
امیشہ ہماری یہ اپیل رائگاں نہیں جائے گی۔

خطوط اور ساقم وغیرہ بھیجنے کا پتہ یہ ہے

مہتمم صاحبہ مدرسۃ البنات۔ - دیوبند (لی-پی)

بُجْلی کی فَارِعَةٌ

خدا کیا ہے؟۔ طالب علم جواب دیتا ہے کہ جنا
قرآن خدا اُن آزاد ہے۔

پھر پروفسر صاحب پوچھتے ہیں کہ خدا کیا ہے؟
طالب علموں میں سے کوئی طائف علم خواب دیتا ہے
کہ خدا وہ ہے جس نے اس ساری کائنات کو بنایا۔
لکھ رہا ہے اسے جس نے اس ساری کائنات کو بنایا؟
آپ ہی انسان سے پیش کر جھوٹے پیچے کیسے اس
سوال کا جواب دے سکتے ہیں۔

مذکورہ لکھ رہا ہے جب کبھی یہ بھی کہتے ہیں کہ میں قرآن
پر قریں رکھتا ہوں لیکن خدا پر نہیں۔ (لقول ان کے وہ
یہ مانتے ہیں کہ دنیا کو خدا نے بنایا لیکن ان کو بتایا جائے
کہ خدا اگر کس نے بنایا۔ جب دنیا بذات خود کسی حداثت
کے شیعے میں وجود نہیں آتی تو خدا کا وجود بذات خود
کہاں سے آیا۔

بیحیثیت ایک مسلمان کے ہم آلَّذِينَ يُوْمَنُونَ
پائیں اورَ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْدَدْ لَكُمْ لَا يَنْدَوْنَ مَنْهُو
خدا پر اعتماد رکھتے ہیں۔ مگر مذکورہ لکھ رہا صاحب
کے سوالوں کا اسئلہ بخش جواب دینے سے اپنے آپ کو
قاهر حسوس کرتے ہیں۔

اس نے آپ کی خدمت میں مدد بانہ التماں ہے
کہ آپ اپنے پرستی کی اوپر اشاعت میں اس سلطے
میں ہماری کچھ مدد فرمائیے۔ سہیں قریں ہے کہ آپ کا جواب

ایک لیکھ رہا ہے۔

سوال ہے۔ از۔ غلام محمد صوفی۔ سسری تکریر اُنہیں
ہمارے ہیاں ایک مقامی کالج میں ایک تکمیر
صاحب ہیں جو کہ نام کے تو مسلمان ہی ہیں پر تکمیر
خیالات کے فریقہ میں۔ ہمارا اس پر کوئی اعتراض
نہیں کیونکہ اگر کوئی شخص اپنی مرضی سے مدد ہو گیا تو
ہم اس کو مسلمان ہونے پر مجبوہ نہیں کر سکتے کیونکہ دین
میں کوئی جبر نہیں (لا اکراہ فی الدین) (دھر انگریز میں
یہاں اسلامی نظام قائم ہوتا تو وہ اُسی سزا کے متعلق
ہوتا چکرہ اسلام میں ایک ماحصلہ کے لئے مقرر ہے)۔

اعتراف اس بات پر ہے کہ جب مذکورہ لکھ رہا صاحب
کلاس میں اپنا مضمون پڑھانے کے لئے آتے ہیں تو
وہ (لقول ان کے شاگردوں کے جن کا اپنے مذہب کے
متعلق صفر کے برابر ہی علم ہوتا ہے) اپنے خhalbات کے
متعلق اپنے شاگردوں سے بحث و مباحثہ شروع کرتے
ہیں۔ ان کا اندازِ گفتگو ایسا ہوتا ہے جس سے ایک
متممی فہم و فراست والا آدمی بھی یہ تیجہ اخذ کر سکتا ہے
کہ جواب لکھ رہا صاحب اپنے ان شاگردوں کو پورا
مدد بنانے شے نے ابھی سے تیار ہی کر رہے ہیں۔

ایک بار کلاس میں ایک طالب علم سے وہ یوں
مخاطب ہوتے ہیں۔

ہی باہمی اتحاد کے ساتھ ان لکھار صاحب کو اپنی کھال کے اندر رہنے پر مجبور کریں۔

ایک عجیب انجمن

سوال: از-ڈاکٹر ایم۔ جے۔ افسر۔ گورنمنٹر۔
سنائے کہ شریعت میں چھوت چھات کا کوئی مقام نہیں ہے مگر طبق حیثیت سے یہ امر مسلم ہے کہ بہت سی ایسی مفہومی بیماریاں ہیں جو ایک دوسرے کو بہت آسانی سے لگ جاتی ہیں۔ جیسے کالرا۔ تیپ دن بھجی وغیرہ۔ مجھے امید ہے کہ جملی کی ڈاک میں اس کی وضاحت کر کے بہت سے بھائیوں کے شکوک دور کریں گے۔

جواب:

اجھن کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے چھوت چھات کے صحیح مصداق و مفہوم کا دراک نہیں کیا اور نہ متعذر امراض کی مناسب احتیاط کو اور چھوت چھات کو ایک ہی جائز نہ سمجھتے۔ ایسے امراض جن کا ایک دوسرے کو لگانا قابلِ اطمینان تحریکات و شواہد سے ثابت ہو گیا ہے ان کے سلسلے میں جس نوع کی اختیا طیں برتری جاتیں گی وہ چھوت چھات ہرگز نہیں ہوں گی۔ چھوت چھات تو اس متوہما نہ ذہنیت کی کوشش مساڑی کا نام ہے جس نے فقط وہم اور باطل روایات کے تحت بخاست اور پاکیزگیِ ملحدی اور دستی، برتری اور کم تری کے کھنہ معیارِ گھوڑتھے ہیں جن کے لئے عقل سیم اور نقلِ صحیح کے پاس کوئی محقوق براہان نہیں۔ اس کے بخلاف ثابت شدہ متعذر امراض کی اختیا طیں اُن تدارکی صفتیں آتی ہیں جن کی معقولیت سے نہ فہرہب انکار کرنا ہے نہ عقل سیم۔

احادیث میں جہاں چھوت چھات کی مذمت اور تردید ملتی ہے وہیں یہ بہایت بھی ملتی ہے کہ بیمار اونٹوں کو محتمل اونٹوں کے ساتھ نہیں رکھنا چاہئے۔

پڑھ کر ہم مذکورہ لکھار صاحب کے دانت کھٹے کر سکتے ہیں۔

جواب:

ہماری تجھی کی ڈاک "کیا ہوئی عمر عیار کی زندگی ہو گئی۔ عزیزی گرامی! ہمارا کام تصرف اس قدر ہے کہ کسی بیشیں آمدہ واقعے کا شرعاً حکم بنادیں یا اسلام پر کوئی قابلِ حماط اعتراض کیا گیا ہو تو اسکا خوب دیدیں۔ مگر آج کل کی اس حقوق کا علاج کرنا جوہر مسلم ہے نہ کافر نہ دنیا کی ہے نہ دین کی۔ ہمارے بیس میں کہاں۔ سی تہذیب نے انکار و اظریات اور نئی سیاست نے مانجوں کی بے شمار میں پیدا کی ہیں، اور اوہ ہام کے بادل اذیان کی وسعتوں پر تہری طرح چھاتے ہوئے ہیں، آپ گنس کس کے دانت کھٹے کر سکے۔

حوالات آپ نے لکھار صاحب سے مسوب کئے وہ منطقی طور پر مریوط ہیں نہ کسی قسم کی ہم آہنگی ایسی پائی جاتی ہے۔ وہ نیو انتشارہ ہی اور توہات کا اہلا شفیر ہیں۔ مثلاً جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں قرآن پر تو یقین رکھتا ہوں مگر خدا پر نہیں۔ اس کا علاج دلیلِ منطق سے نہیں امراض دماغی کی دواؤں سے ہو سکتا ہے۔ پھر دوسرے ہی سالش میں آپ ان کا یہ خیال ہی بیان فرماتے ہیں کہ میں مانتا ہوں دنیا کو خدا نے بنایا یہ کیا مذاق ہے۔

آپ اگر اسی کامیج میں پڑھتے ہیں تو مناسب یقہ یہ ہے کہ اتنے پرنسپل کو ایک درخواست اپنے بہت سے سائیہیوں کے دشخودوں کے ساتھ دیجئے کہ فلاں لکھار صاحب کو یا تو یہاں سے ہٹایا جائے یا پھر داہت کی جائے کہ وہ طلباء کے ذہنوں میں اپنا تاریک ذہن اٹانے کی کوشش نہ کریں۔ اگر آپ کے پرنسپل صاحب معقول آئی ہوں گے تو ضرور اس مکروہ صورت حال کی طرف توجہ کریں گے اور اگر وہ توجہ نہ فرمائیں تو پھر آپ طلباء

تدبیر الہی پر ایک شبہ

سوال ۱۷۔ از۔ حجریم۔ بارہ نئی۔
تجلی کی طاں (تجلی جلالی و اگست ۲۰۱۴ء) ص ۱۹ پر
آپ نے لکھا ہے:-

"خدا کے بارے میں ہم سب مسلمانوں کا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ اس کا پر فعل، پھر حکم ہر تدبیر اعلیٰ مصالح و مقاصد پر منبی اور نقص و خطا کے شانتی اور رین تک سے نظر ہے۔"

مولانا! اللہ کا حکم بھی ایسا اس لئے نہیں ہوتا کہ اس کو کسی امر اور حکم میں اتنا لفظ کا لحاظ نہ رکھتا کہ یہ یا وقت ہی کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اکمل و اصل حکم نہ دیا جاتے۔ مثلاً سورۃ الکافرون میں کلمہ دینکم دینکم دینکم دینکم دینکم دینکم دینکم دینکم دینکم فرمایا گیا اور آیت سیف میں فاقتلوا المشرکین الایہ اس کا برعکس حکم ہے۔ تغیر اوقات سے احکام میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا حکم نی فرض ہو جاتا تو یہ شک اعلیٰ اور یہ مثال ہو گا مگر جب انہما فی ہو جاتا تو حکم کی اختیت کا دعویٰ صحیح نہ ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم بالحااظ مخاطب نہیں ہوتا ہے۔

دوسرے اخطہ۔ آپ نے لکھا ہے:-

"یہ سکن ہی نہیں ہے کہ تربے بہتر فیصلہ اور تدبیر کو جھوڈ کر وہ حکم ہر تصور نہیں اختیار کرے یہ خامی تو خیر اللہ کی ہے کہ" اخ

چونکہ آپ قادھہ کلیہ لکھ رہے ہیں کہ اس کے لامسو اور شکر ہوتا ہی نہیں اس لئے میں عرض کر رہا ہوں کہ یہ قادھہ دوامی نہیں ہے۔ کبھی ہم سکان ارضی کی خاطر عارضی اور ہوتی وقت بوقت خاص کے لئے بھی احکام دیتے جاتے ہیں۔ جیسے قبراء۔ اجنبی کے احکام۔ دلوں کے احکام اب اسی لئے مسروخ ہیں کہ ان کا وقت ختم ہو گیا ہے۔ مولانا مودودی کے جس حاشیے پر کہے گئے اعزازی کے جواب میں آپنے کلام کیا ہے اس پر تو کچھ سمجھنے کی

آثار صحابہ میں جہاں اس خیال کے حامل ملتے ہیں کہ وبا اور مرض کے ڈر سے نقل مکانی عقدہ تقدیر سے ہم آہنگ نہیں ہے وہیں اس خیال سے بھی حامل ملتے ہیں کہ اختیاط نقل مکانی کرنا تقدیر کے عقیدے سے احسرات نہیں بلکہ وہ جائز اختیاط ہے جسے مذہب نے جائز رکھا ہے۔

البتہ یہ بات سمجھ لینے کی ہے کہ اختیاط کو تو ان کی رسم حد سے آگے نہیں پڑھنا چاہتے جس کے بعد سندھی بے نہری اور سو ما خلاقتی تاریخ دی آجائی ہے۔ زید کو دو حق ہے تو یہ شک اس کے گھلنے پیش کے برتن الگ رکھئے، اسے نہ خصوص برتن سے دو پڑاتی ہے، اس سے خلاملا میں مناسب اختیاط بر تیئے تکریہ یہ ہرگز جائز نہیں کہ اس کے قریبی اعشر اور احباب اس کی دکھنے بھال اور تیارداری میں کوئی ایسا بہتر نہیں نہ ایسا طرزِ عمل جائز ہے جو شایاں طور پر زید کو اس ذہنی اذیت میں بٹلا کر دے کہ اس کے عنزیز و افسوس برانے سے بیزار ہو گئے ہیں۔ یہ بجا ہے کہ تصدی امراض ایک سے دوسرے کو الگ جاتے ہیں لیکن اتنا ہی بجا ہے کہ افلاتی افتدار اور دوستی تعلمات کی اہمیت اور قیمت اُس تحفظ اور اختیاط سے کہیں زیادہ ہے جو صلدہ رحمی اور ہمروخت کا قتل عام کرنے والی ہو۔ ایک مسلمان کو ادنی تو یعنی رکھنا چاہتے ہیں کہ اگر اخلاقی اور انسانی تقاضوں تے پیش نظر وہ سی مریض کی تیارداری کے فرائض ادا کرے گا تو ہی اللہ جس نے تصدی اور غیر تصدی ہر قسم کے امراض اور ان کے علاج پر اکٹے ہیں اسے اپنی حفاظت میں رکھے گا۔ دوسرے اگر تیارداری سے میں وہ درج کا شکار ہو ہی جائے تو یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ اختیاط کے نام پر وہ قرابت، دوستی، صلدہ رحمی اور انسانی کے تقاضوں کو پالنے کرے۔ امید گے اس جواب کے بعد آئی گی الجھن اور بہت سے بھائیوں کے شکوک لفوج ہو جائیں گے۔

کی رفتار سے چلنے والی بیزیر ہے اور اعلیٰ ترین ڈرائیور وہی کہ ملائے گا جو گاڑی کو اس کی پوری کمپیلڈ پر ڈرائیور لے جائے۔ ہمارا خیال ہے کہ آپ ایسا نہیں ہیں گے بلکہ اس ڈرائیور کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لئے اس نے لائن کی خطراک حالت کا لحاظ کرتے ہوئے کامیابی کو الیجی رفتار سے گزارا جاسے حالت کے پیش نظر مناسب ترین تھی۔ لائن کے نقص اور کمزوری کا پیوند آپ ڈرائیور کے حکیمانہ فعل سے نہیں لگائیں گے۔

ان مثالوں سے م secara مصروف ہوا کہ خدا کے سی حکم یا تدبیر کو جب نقص و خطای سے پاک اور اعلیٰ ترین کامیابی کے لئے نواس میں مخاطب کی حالت اور وقت کے تقاضوں کی مناسبت لازماً لمحظ ہوگی۔ کامل حکیم و علیم اور دانا وہی ہے جسکی تدبیروں میں تمام مساعد و ناساعد اطراف و جانب کا لحاظ موجود ہو۔

فَاقْتُلُوا الْمُشْكِنِينَ كَمْ حُكْمٌ جُنْ مُحْلٌ اُوْرْ جِنْ
حالات میں دیا گیا ان کے لحاظ سے یہی اعلیٰ وارفع حکم تھا اور حکم دینکرم ولی دین کے الفاظ سے جس روئی اور عقیدے کی تعلیم دی جئی اس کی بناء پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ فَاقْتُلُوا الْمُشْكِنِينَ وَالْحُكْمُ نَاقْصٌ هَذَا۔

آنے کے حکم یا تدبیر کے موئیت اور اضافی ہونے کے ناقص اور غیر اعلیٰ کا ہم معنی سمجھ لیا ہے حالانکہ بالکل سامنے کی بات ہے کہ کمال تدبیر کہتے ہی اُس طبق کار کو یہیں جس میں حالات اور وقت کے تقاضوں کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہو۔ جو احکام اللہ تعالیٰ نے کسی خاص زمانے اور خاص امتوں کے لئے نازل فرمائے انھیں آپ صرف اس لئے ہمارے بیان کردہ کلیسر سے خارج سمجھ رہے ہیں کہ وہ موئیت اور اضافی ہے۔ مگر ایسا بھی اس لئے ہمارے بھی نہیں کہ مریض کے ضعف کو علیم کے سخنے کا نقص نہیں کہا جا سکتا۔ جس وقت اسلام مکہ میں اپنے عہدِ طفوولیت سے گزردہ ہاڑھا اور گئے چند مسلمانوں کو اہلِ کفتر کی تیر جمعیت سے ٹکرایا جانے کی وقت میسر

بے شک گنجائش نہیں رہ گئی لیکن خدا آپ کے گلے بر شک دار دہور ہا ہے۔ امیار ہے کہ جواب دے کر تشقی فرائیں
جواب :-

اضافی اور موئیت احکام کے رُخ سے جو شبه آپ نے ظاہر کیا وہ ایک قسم کا انکری مغالطہ ہے۔ اس مغالطے کو چند مثالوں سے دوڑ کریں:-

ایک پرانے مریض کا مریض ابھی زائل ہوا ہے اسے اب اپنی بھروسی قوت بحال کرنے کے لئے مقویٰ دواؤں اور عذر اؤں کی ضرورت ہے، لیکن ماہر فن طبیب دھکتنا ہے کہ ابھی اس کا نظام جسمانی اس قابل نہیں ہوا کہ زیادہ قوت کی دوائیں برداشت کر سکے۔ جس درجہ قوت اسے درکار ہے وہ ملکی قوت کی دواؤں سے تدریجیاً پہنچنی چاہئے۔ لہذا وہ اتنی قوت کی دوائیں اسے نہیں دیتا جتنی قوت ایک صحتنامہ جسم کو درکار ہے بلکہ ضعیف الاثر اور کم قوت دوائیں دیتا ہے تاکہ وہ ہم ہوسکیں اور مطلوبہ قوت تدریجیاً پیدا ہو۔

یہ فعل اس طبیب کا طبیب ان افعال اُنہی سے مشابہ ہے جنہیں آپ اضافی اور موئیت ہونے کی وجہ سے ہمارے بیان کردہ کلیسے کے خلاف سمجھ رہے ہیں۔ لیکن آپ غور فرمائیں تو یہ ہمارے سکنے کے عین طبق نہیں۔ خافی یا ضعیف ہمارے مریض میں ہے نہ کہ طبیب کے سخنے میں۔ طبیب نے اپنے سخنے میں جس تدبیر کو اختیار کیا ہے وہ مریض کی حالت اور تقاضائے وقت کے اعتبار سے صحیح تھیں اور کامل طور پر حکیمانہ ہے۔

ریلوے کے لائن بارش یا زلزلے کی وجہ سے کسی جگہ کمزور ہو کر ہو درائیور یہاں ریل کو دش میں فٹنے کی رفتار سے چھم و سلامت گزارے جاتا ہے اب کیا آپ کہیں کہ کہ ڈرائیور کا یہ فعل اس نے چھم تریز اور صلت و اعلیٰ نہیں ہے کہ گاڑی ساٹھ میں فٹنے

نہیں رکھتا جھپٹیں ہم خدا کے لئے واجب مانتے ہیں اور جن کے بغیر خدا خدا ہو بھی نہیں سکتا۔ اسکی ایک صفت ہے جملہ ما کان و ما یکون کا عالم ہونا۔ یہ علم اسے ہر وقت تھا اور ہر وقت ہے۔ دوسری اوصافت ہے قادر مطلق ہونا۔ تیسرا اوصافت ہے علم و دانا ہونا۔ تینوں ہی اوصاف اس کے مقاصدی ہیں کہ توراة و انجیل وغیرہ کو نازل کرتے وقت بھی اسے خوب معلوم ہو کہ اپنی اتنی امداد بعد انھیں منسوخ کرنا مناسب ہو گا اور اتنے زمانے بعد وہ آخری کتاب نازل کی جائے گی جسے بھی منسوخ نہیں ہونا ہے۔ اہذا یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ اپنی کائنات کے لئے اس نے جو مفصل ایکم بنارکھی ہے اس کے اعتبار سے توراة و انجیل وغیرہ کا ایک خاص زمانے تک جست رہنما اور پھر منسوخ ہو جانا ہی اعلیٰ ترین اور صحیح ترین تدبیر تھی جو شخص و خطاط کے ہرشتابی سے منزہ اور بالآخر ہے۔

آپ ہلکی سردمی میں چکوں کو رضاۓ اور ہر ہنے حکم دیتے ہیں اور جب زیادہ سردمی پڑنے لئے لمحاف کی ہدایت فرماتے ہیں۔ اب آنحضرت کے شہر کی بنیاد ناقص وغیرہ ناقص کے جس قہم پر ہے اس کی رو سے تو تین سیروںی والے لمحاف کے مقابلے میں ایک سیر روئی کی رضاۓ بلاشہ کہتر اور ناقص ہے۔ مگر کیا اس کی کمتری اور ناقص کی بناء پر آب یہیکم کر سکتے ہیں کہ رضاۓ اور ہنے کا حکم صحیح تر نہیں تھا۔ ہمارا خالہ ہے آپ ہرگز ایسا نہیں مانیں گے بلکہ صاف کہیں کے کہیوں کی مناسبت سے یہی حکم اینے وقت کا کاٹل تر اور صحیح ترین حکم تھا۔ پھر جب کڑا تکے کا جاڑا آیا تو اس وقت لمحاف کا حکم اس نے نہیں دیا گیا کہ یہی حکم کی غلطی کا احساس و ادرأک ہو گیا تھا ملکہ اس نے دیا گیا تھا کہ وہ وقت بدل گیا تھا جو ہنسے حکم کے لئے موزوں تھا۔ ٹھیک اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ہر حکم ہر تدبیر ہر اقتداء م حالات کے تقاضوں اور حنلوں کی ضرورت توں

نہیں تھی اللہ تعالیٰ کا یہی حکم اعلیٰ ترین اور یہی قدر مناسب ترین سمجھی جائے گی کہ اے اہل ایمان صبر کر و اور حب حالات کا دباؤ ناقابل برداشت ہو جائے تو بھرت کر جاؤ بعد میں جب اہل ایمان کی تعداد بڑھ جاتی ہے اور وہ اس پورشن میں آ جاتے ہیں کہ ظالموں اور شرمندوں سے مکر لے سکیں تو اللہ تعالیٰ اجازت ہی نہیں ختم دیتا ہے کہ اب ایزٹ کا جواب اینٹ سے اور پھر کا جواب پھر سے دو۔ آنحضرت نے جوز اور یہ نظر انہی سوال میں پیش کیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ ارفع اعلیٰ حکم آپ صرف آخر الیز کو کہیں گے اور صبر و تجریح و اعلیٰ حکم تو ہمایہ اس سکھے سے خارج نہیں گے کہ اللہ کا ہر حکم اور قائل تقدیر خطاط کے شابنے تک سے منزہ ہوتا ہے لیکن تم گذارش کریں گے کہ ہمارا کلیہ درنوں ہی مواتع پر جوں کا توں صادق ہے اور درنوں ہی میں نصیلے اینے وقت اور پہنچ محل کے اعتبار سے اعلیٰ ترین اور غیر ناقص تھے۔ جو صرف مکہ میں قدیم التقدیر اہل ایمان میں پایا جا رہا تھا اسے خود اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی ہفت سوچ لینا جو اس نے اس موی قدر پر دیا فکری مخالف طریقے۔ مکروہی اور خامی جو کچھ اس وقت تھی وہ اہل ایمان کی منتظرت تعداد میں تھی نہ کہ اللہ کے دینے ہوئے ہم صبر اور حکم بھرت میں۔

توراة اور انجیل و زبور کے بارے میں جو کچھ آپ نے کہا وہ درست لیکن اس سے جو نتیجہ نکلا وہ نادرست ہے۔ ان کتب اسلامی کا منسوخ ہو جانا یہ مطلب نہیں رکھتا گہ جس وقت ان کتابوں کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا اس وقت اسے علم نہیں تھا کہ یہ زیادہ دنوں چلنے والی نہیں۔ ایسا الگ لگان کر لیا جائے تب تو یہ کہنا یقیناً درست ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حنلوں کی صلاح و فلاح کے لئے جو حکام ان کتب کے توسط سے نازل کئے وہ ناقص و مکروہ تابت ہوئے اور بعد میں اللہ کو قرآن کی شکل میں کامل اور قومی احکام نازل کرنے پڑے۔

لیکن ایسا لگان کرنا ان صفات عالیٰ سے کوئی جو طریقہ

ناقص اور ادنیٰ اتفاقیں۔

یہاں عام اونٹی عقل و فہم کو تھیا رڈال بینے کے سوا چارہ نہیں۔ غور و فکر کے بعد وہ بہت سے مقاصد و مصالح یقیناً تلاش کر سکتی ہے تین دو ٹوک اور قطعی استدلال قائم نہیں کر سکتی بلکہ اپنا معااملہ ”عقل مسلم“ کے حوالے کر دینے پر مجبور ہے اور عقل مسلم کے اجزاء تکمیل میں نایاب ترین جزو ایمان بالغیرت، جوہر اس س موقع پر ذہن مسلم کو طہانیت اور سکون عطا کرنے لئے جو فلسفہ و مطلق اور تمام علوم مادی اپنی نار سانی کا انصراف کرتے ہیں اس عظیم کائنات کی تام تکمیلی و تشریعی مصالح اور حکمتیں کو انسان کی محدود عقل و بصیرت اسی طرح نہیں سمجھ سکتی جس طرح کسی بہت بڑے پلانٹ کی تنگ بناؤٹ اور کارکردگی کو اسالیب کو ایک عام آدمی نہیں سمجھ سکتا۔ خدا اپنی بہتری اکیمین ایسی ہیں جو انسان کی چھوٹی سی عقل کو ترقی خوبصور ہوں گی لیکن ان کا حقیقی طول و عرض ہزار ہزار سال کے پھیلاؤ تک منتہ ہو سکتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ ہزار سال پلے جو اتفاقہ عالم میں ہیں شیش آیا ہواں سے بعض حقیقی ترین نتائج آج ہمیں من آتے ہوں اور انسانی عقل ذرا بھی اور اک نہ کر سکے کہ یہ نتائج فلاں ہزار سال قدیم دافتھے کے ہیں۔

ضروری ہے کہ جس فیصلہ خداوندی کی شانی تو جیہہ ہم نہ کر سکیں اسے اپنے ایمان بالغیر کو والے کر دیں اور یقین و عقیدہ ہر حال میں یہی راضیں کہ اللہ تعالیٰ کا ہر قیصلہ، ہر تدبیر، ہر حکم خامی و نقص سے منزہ ہو اور ہبہ و خطا سے بالآخر ہوتا ہے۔ تعالیٰ اللہ عز و جل۔

بیوی کا دودھ

سوال ۷۔ از۔ ماسٹر صدر الحق۔ ضلع مظفر پور۔ زید کو۔ B.A۔ کامران ہے علاج سے شکوئی فائدہ نہیں۔ چند عورتیں زید کی بیوی ہنڑہ کو مشورہ دیتی ہیں کہ اگر عورت کا دودھ اس کو دیا جائے تو زید

اور عالم کی صلحتوں کا کامل محاظر رکھتے ہوئے معرض و وجود میں آتا ہے اور کسی حکم کی تبدیلی یا نسخ کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ اس کی کامیلت اور تدبیری حیثیت میں کوئی کمی تھی۔

ایمیکن معروضات سے آپ کو شفی ہو جائے گی۔

ویسے اس بحث میں ایک پہلو اور ہے جو بہت دقیق و لطیف ہے اور عقل و بصیرت کی انکھیں اس سے عنوان چیز رہ ہو جاتی ہیں۔ وہ ہے تکمیلی حکمتیں کے فہم کا پہلو مثلاً ایک ہومن جب تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے دیکھنا ہے کہ غزوہ اُحد میں ایک معمولی سی نسلی اہل ایمان کے لئے سخت ابتلاء کا باعث بن گئی یہاں تک کہ اللہ کا آخری رسول رحمی ہو گیا۔ حالانکہ فلسطی بظاہر اہر صرف بعض رفراذ کی تھی نہ کہ تمام شر کا بر جماد کی اور خود حضور مسیح کا اوس غلطی سے کوئی تعلق ہی نہ تھا بلکہ حضور ہی کی ایک ہدایت کو جلد بازی اور خوش ہی کے تحت نظر انداز کر دینے سے یہ قلطی عبارت تھی۔ مکر اللہ کی حکمت تکمیل کا فیصلہ اس موقع پر یہ ہوا کہ فتح شکست میں ہل عاتے اور سالارشکر رحمی ہو جائے۔ یا مثلاً حضور مسیح مختار صاحبہ کا ایک وفادہ براۓ تبلیغ ہمیت ہے میں اور اہل کفتہ انکھیں شہید کر دلتے ہیں۔ یا مثلاً حضرت علیؑ و معاویہؓ کے مابین صلح نہیں ہو پاتی۔ یا مثلاً حضرت عثمان رضیہؓ کی مظلومیت کے عالم میں سفا کانہ طور پر شہید کر دیتے جاتے ہیں۔

ان تمام واقعات میں ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اہل تقدیر ہی کام کر رہی ہے اور کوئی ایمان والا یہ نہیں کہ سکت کہ ان واقعات کا مطہر اللہ کی رضی اور ایما کے بغیر ہو گیا۔ پھر آخر عقل انسانی کیا تو جیہہ کرے جس سے یہ اٹلیان حاصل ہو کہ تقدیر اہلی کے یہ فیصلے یاد و سرے الفاظ میں تدابیر اہلی کے یہ مظاہر کا مل ترین حکمت اور ارفع ترین مقاصد پر ہی تھے اور ان کے سوا جو بھی نتکلیں ممکن ہیں وہ سب کی سب مقابلتہ

انکار۔ اخفاام وغیرہ لیکن اہل اسلام کے دریمان یہ لفظ سر سے زیادہ جن معنی میں مستعمل ہے وہ ہیں "ایمان کی ضد"۔ لہذا یہ بات جائز نہیں ہے کہ کسی مسلمان کے لئے اسے استعمال کیا جائے۔ جنہاں کو ویسی بھی سے ہوتے ہیں اور گناہ کا کوئی جڑ ایمان سے نہیں ہے۔ نافرمانی بھی گناہ ہی کے ہم معنی ہے لہذا اگر صرف گناہ کے تعلق سے مسلمان کو کافر کیا جائے تو ہو جائے کافر کون ہے جو اس نظر کی مار سے محفوظ رہے گا۔ کافر کے لفظ کا حقیقتی صرف وہ شخص ہے جو یا تو علانية غیر مسلم ہو یا دعوۃِ اسلام رکھنے کے باوجود وہ ایسے عقائد رکھتا ہو جنہیں معتبر علمائے اسلام عقائد اسلام کی ضد قرار دستے ہوں۔ مثلًا محمد رسول اللہ کا خاتم النبیین ہونا اہل اسلام کا متفق علیہ عقیدہ ہے۔ آپ کے بعد کسی نبی کا کوئی امر کا نہیں۔ اب اگر کوئی شخص یا گروہ دعوۃِ اسلام کے باوجود کسی نبی کا قابل ہو گا تو وہ کافر کہاں ہو گا۔ مسلمان کو گناہ کافر نہیں بناتے خواہ وہ کتنے بھی بڑے اور کتنے بھی زیادہ ہوں۔ کافر بنانے والی چیزوں عقیدہ ہے جو بنیادی عقائد اسلام کے خلاف ہو۔

ہود یکھنا تو دیدہ دل واکرے کوئی

سوال ۱۱: از۔۔۔۔۔ لائل پور (مغربی پاکستان)

آپ نہ بانی فرم اکر مندرجہ ذیل شوالات کا تسلی بخش اور مذکول جواب مرحمت فرمائیے۔ حضرات علمائے کرام کی مختلف آراء کی وجہ سے ہم عالم مسلمانوں کو بے انتہا پریث نی لائق ہو رہی ہے۔

(۱) مولانا پرتفی زین العابدین صاحب خطب جامع مسجد یونیورسٹی لحاظ سے چیزیں بھی ہوں۔ لیکن پاکستان یعنی جماعت میں ان کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اور اس جماعت میں سب سے بڑے عالم، رہنماء، صنائی والوں اور اللہ کی راہ میں افرادی تک ہوائی جہادوں کے ذریعے سفر کرنے والا مجاہد اعظم سمجھا جاتا ہے اور

اچھا ہو جائے گا۔ دوسری عورتیں تو میا رہنیں ہوتیں ہیں۔ زیدہ جو کہ زید کی بیوی ہے، اس نے زید کو دودھ پہنچوں پلایا۔ زید صحت مند ہو گیا۔ کیا ہندہ اور زید کے تعلقات اب بھی ایمان بھی جیسے بحال ہے؟ براۓ ہبہ بانی جوابے جلد نوازیں۔

جواب ۱۱:-

عورت کا دودھ مرد کے لئے عمر رضا عنعت کے بعد حلال نہیں ہے۔ زید نے غلطی کی اس کجر عورتیوں کے لئے پر بیوی کا دودھ پس۔ کسی حرام شے کا استعمال بطور دواں وقت جائز ہے جب کافی ملاج کے بعد متعدد طبیبوں کااتفاق اس پر ہو جائے کہ مرلین کو اب فلاں حرام شے کے سوا کسی دوا سے افادہ نہ ہو سکا۔ حور تین نہ طبیب اہلائی ہیں نہ ان کی رائے اتنی ثقہ ہو سکتی ہے کہ ان کے مشورے پر مرلین ایک حرام شے کو بطور دوا استعمال کر لے۔ اگر اس استعمال سے زید اچھا ہو گیا ہے اسے اتفاقی سمجھئے۔

ویسے زید اور ہندہ کے ازدواجی تعلق براس کا کوئی اندر نہیں پڑا۔ بناج کا رشتہ جوں کا توں قائم ہے۔

کفر اور کافر

سوال ۱۲: از۔ محمد عبدالرشید۔ بیدر۔

چونکہ لفظ "کافر" کے معنی ناشکر لگدا اڑنا فربن کے ہیں۔ آیا ایک مسلمان کو جو خدا انبارک و تعالیٰ کے دین اسلام سے واقف ہوتے ہوئے بھی نافرمانی کرتا ہو، کافر کہہ سکتے ہیں؟ یاد دین اسلام کو ماننا اُس کو کفر سے بچاتا ہے؟

جواب ۱۲:-

لغت میں کفر کے متعدد معنی آتے ہیں۔ ناشکر لگدا

قائم کریں۔ اگر مسلم کے "رکن اسلام" یا کم از کم تبلیغی جماعت کے نظام کے اس رہنمائی اعظم اور اس جماعت کے ایک بڑے رہنمائی کے اس عمل اور طریق کار میں کیا گھلے تقدیم نہیں؟ اور اگر ہے تو کیا تبلیغی جماعت کے ذمہ دار حضرات کو آپ تو جنم نہیں دلا سکتے کہ وہ تبلیغی جماعت کو اس بدنامی سے روکنے کے لئے ان حضرات کو پچھے گھادیں کہ وہ حضرت مولانا محمد رایاس حبـ. رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دینی اور مفید تحریک کی اس طرح مصر کے صدر ناصر کی حمایت میں تباہ و بر باد کریں۔ ہر فاعل فاجر کے لئے رواداری اور فراخ دلی کا منظاہرہ اور دین کے ایک خادم اور مجاہد فی سبیل اللہ کے حق میں اس قیمتانگ ظرفی، تنگ مراجی سمجھیں بالکل نہیں آتی۔ آپ اللہ اس بارے میں یہ کو مطمئن کر دیجئے۔

اب ان کی حیثیت پاکستان کی حد تک تو مولانا محمد رحیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ کی ہو گئی ہے۔ تبلیغی جماعت کے چھ تینوں میں "اگر مسلم" ایک مستقل نمبر ہے اور ان کے یہاں گواہ کارکان اسلام ہی کے حوالے سے اور ہم دیکھتے ہیں کہ اسی تینوں میں اسلام کوچخ و بن سے اٹھاڑنے والے حاکم افسر اور بڑے تاجر و کار خانہ دار کا پورا اگر اگر کیا جاتا ہے اور اس سے تو قعات وابستہ کی جانبی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہاں حکمت اور موغلفت حسنہ ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا مودودی صاحب کے بارے میں ان حضرات کی روشن اپنے اس رکن اسلام کے خلاف ہے چنانچہ اس جماعت کے اس عظیم رہنماء اور وہ مرشد مقامی زین العابدین کاظمی کا ریہے کہ وہ حصہ تھا مصطفیٰ اور ناصری کا پیکا حامی ہے اور گذشتہ سال جب ہصر کو شکست ہوئی تو ممبر پیغمبر ہو کر وہ اس شکست ہی تسلیم نہ کرتے تھے اور ناصری پوری صفائی کرتے رہے اور جب مولانا مودودی صاحب نے اس جنگ اور اس کے باوجود نشانیج پر نہایت سنجیدہ اور مظلوم تصریح کیا تو خطب صاحب حربے جمعہ کے روڈ ممبر پیر زوردار نقیر پیر کے کے مودودی صاحب کی تھا لفت کی اور فرمایا کہ شخص مودودی کا ای خدش ہے اور یہ تصریح دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مسلمان نہیں بلکہ ہمودی وزیر اعظم پول رہا ہے۔ اس کے بعد جب ایک مجلس میں مودودی صاحب کا ذکر آیا تو فرمایا کہ وہ ملعون ہے۔ دوسرے وقت پر فرمایا کہ وہ خبیث رافضی ہے۔ اور مستقل طور سے جماعت اسلامی اور مولانا مودودی صاحب کی مخالفت میں خود بھی لگا ہوا ہے اور اسلامی جماعت کے سیدھے سادے مسلمانوں کو بھی اسی کام پر لگادیا ہے۔ آپ سے صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ کیا مولانا مودودی صاحب کو ملعون اور خبیث رافضی کہنا انتہا عادست ہے۔ اور اگر نہیں تباہی سے شخص کے بارے میں یہی عام مسلمان کیا راستے

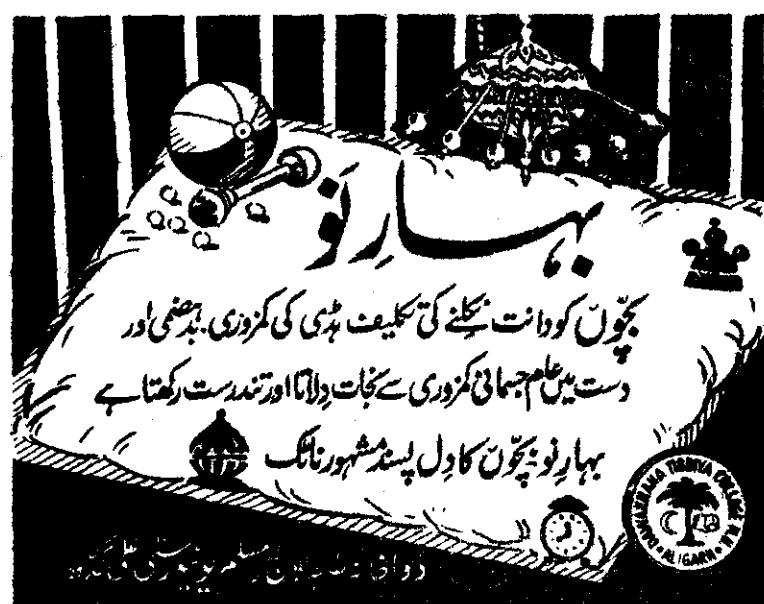
جواب :-

آپ کا سوال صرف "درس عبرت" کے طور پر شائع کر دیا ہے ورنہ جواب تو اس کا ایک آہ سردا کے ترا پکھ جھیل نہیں۔ جو بات آپ نے ہم سے معلوم کر لی چاہی ہے وہ خود آپ کو بھی معلوم ہے اور آپ کے علاوہ بھی شاید ہر سمجھدہ اور یا ہر ہوش مسلمان جانتا ہو کہ کہ گالی بانی شریفیوں کا شیوه نہیں۔ اسلامی اخلاق تو بہت اُوچی چیز ہے۔ منتشر انت و ممانعت کے ایک عام معیار پر کتنی یہ بات پری نہیں اُترنی کہ جو لوگ بھلاڑ اور خدا ترسنی کے سلسلے میں جلتے ہو اسی کا رہنمائی کرنے چلے ہیں اور ان کا منصب حقیقتہ۔ یہ بھی یہی کہ اللہ کے بندوں کو اپنے کردار و گفتار سے اخلاقی غالیب کار اسیتہ دھنلائیں دیجیں اس درجہ گر جائیں کہ ان کی زبان گھٹیاں قسم کے سبب و شتم سے آلوہ نظر آئے اور مولانا مودودی تو تحریر

عرصہ دراز سے بے شمار یئے تنگ دل تینگ نظر پریز رجھ ویدنیاں اور قسم القدر "علماء و ائمہ" اور "مرشدین شیوخ" کو دیکھتی اور برتری چلی آ رہی ہے جو ایک طرف حقیقی خدا پرستیوں کی عدالت و مذہب میں سارے کپڑے اُتار کر رکھ دیتے ہیں اور دوسرا طرف فرعون و قات او رامہ ضلال کی مدد سرائی اور تھیڈہ گوئی میں ساتوں آسمان سے اُمرے نہیں رکھتے۔

مصر کے جمال عبد الناصر کا مادر پدر آزاد قصیدہ پڑھنے والے ابھی یااضنی قریب میں توجہت تھے جب تک کہ ان صاحب کی تعلیموں اور لاف و گزاف اور اکٹھوں کی ہائیڈی چورا ہے پر نہیں پھوٹھی تھی۔ مگر جب اسرائیل کی اکٹھوکرنے اس غبارے کی ہوا نیکال دی اور سایہ دشائی اسلام رسوائیوں کے بازار میں سنگھ ہو کر رہ گئی تو تم ویش نوے فی صدی تھیڈہ گو سرمد در گھلو اور منقار زیر پر ہو کر بیٹھ رہے ہیں۔ لیکن جن خوش فکروں کی نسبیں

ایک عالمگیر شہرت کے مفکر اسلام اور داعی حق ہیں اکسمی معمولی انسان کے نئے مجھی گالیوں کا استعمال بخوبی الطرقین لوگ مجھی نہیں کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ایسی وابی کا اسوہ ہمارے سامنے ہے۔ پھر آپ کے فحیا ہے نے جو اخلاق اختیار کیا اور پھر اولیا اور اقصا میں روشن پر چلے۔ ان کے یہاں کہنے پن اور بازاریت کا نشان نک نہیں ملت۔ پھر کیا جواب ہو گا آئی کے سوال کا اس کے سوا کم مفتی زین العابدین کا وظیرہ افسوسناک ہے۔ پرت اور ھٹپیا ہے حق یہ ہے کہ کوئی قوم ذلت و خواری کے قعر تاریک میں گز نہیں سکتی جب تک کہ اس کے خواص ہی کے قوم میں بگاڑ سدا نہ ہو جائے۔ علماء و صلحاؤ قوم کے مصن ہوا کھرتے ہیں۔ یہی مصن ہمارے یہاں جتنا جتنا اس طرتا ہمارا ہے اتنا ہی اتنا ملت اسلامیہ کی بربادی پر گنت رہی ذلت اور رسوائی کا عدد دار بعہ پڑھتا اور پھیلتا جا رہا ہے ایک مفتی زین العابدین زاد لطفہ، تک بات نہیں۔ زوال و پیش ما ندگی کی طرف مسلسل سفر کرنے والی امت مسلمہ



پاکستان میں کسی کو توجہ دلانے کی خدمت آپ پاکستانی ہی انجام دے سکتے ہیں جہاں ان معاملات میں کم اچل۔ آخری بات یہ ہے کہ اللہ کی سنت اپنے مخصوص بندوں کے حق میں ازال سے یہ چیزیں اور ہی ہے کہ ان کے اجر و ثواب کو وہ حرف الہی نے اعمال و کردار میں منحصر نہیں رکھتا بلکہ ان کے دشمنوں اور بیڑخواہوں کے اعمال و کردار سے بھی ان کے فضیب آخرت میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے۔ دنما کے سوتے سترے انسان اور انبیاء و رسول کے مردار اور حمد صلی اللہ علیہ وسلم تک کو تو نہیں تضمیح کا ہدف بنانے والے ہر دور میں رہے ہیں اور آج بھی ہیں۔ یہ دفعہ اس کا رگہ ہستی میں ہے نتیجہ تو نہیں۔ اس کا ایک حلناقی یہ تو ہر حال میں ہے کہ حصہ میں کے مراد و درجات میں اضافہ ہوتا رہے۔ بس ابی طرح حصہ میں کے تخلص خادموں اور تمثیل اسلامیوں کا معاملہ سمجھتے کہ انہیں کالیاں دینے والے اور افتراء اور تعھیک اور طعن و نظر کا لشانہ بنانے والے ہر دور میں وہ دور ہیں گے۔ خوش قسمت ہیں مولانا موزود ہی کہ اپنی حدود جد سے جو کچھ کیا وہ تو کیا اپنی بہت سی اجر و ثواب کی پوچھی ان نے معاذنا اور دشن بھی طریقہ لگان اور تقلیل مزاجی کے ساتھ براہمک حساب اخراج میں جمع کرنے پڑے جائے ہیں۔ اور بد قسمت میں یہ "اکرم مسلم" کی پاکیزہ ترین تعلیم کو اپنی قیامت فلی اور تاریک ذہنی سے ملوث کرنے والے جو انہیں سمجھتے کہ ساری عمر کی عساکری خارج کی ایک نکاح غصب کی حدت سے اس طرح تخلیل ہو کر رہ جاتی ہیں جس طرح گرمائی تیز دھوپ مٹی کی بھی چوس کرنے جانتے۔

یہ عجیب مطلب ہے آپ کا کہ لند اس بالے میں ہم کو مطہن کر رہی ہیں۔ کامیاب ہے لاکر دیں آپکو اطمینان۔ اور کریں گے کیا آپ ملنگے تاگنگے کے اطمینان کا۔ جنمتم و مکرم اطمینان کا! ایک بھی راستہ ہے۔ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو درزخ کی آگ سے

صحت میں شرم و چاہا اور احساسِ ذمۃ الرحمی کی کوئی رسم بھی موجود نہیں تھی وہ آج بھی بات کی شیخ اور جملی ہیونی دُرم کی ایٹھکھروڑ کا مظاہرہ اُس بہادر کی شان سے کئی چلے جا رہے ہیں جو برابر چانتے گھاٹ رہتا ہے اور ہر چانتے پر اکٹ کر یہ بھی کہتا رہتا ہے کہ ذرا اب کی قوار اتفاقی زین العابدین جسے جلی کے سترے لوگ جمال عبدالناصر کی شناختی میں اب سے پہلے دنیوں تک تو اس لحاظ سے قابل معافی تھے کہ ان بیماروں کو جسم اللہ کے گنبد میں رہنا شکست اخترار کرنے کے تسبیحات کا عالم ہی نہیں تھا اور جن حقائق تک رسیم اللہ کے گنبد میں رہ کر بھی ایک جانکھ تھوڑے ذہن کی بیچ تکمیل ہی اس سے ان غریبوں کا کامستہ سر بالکل خالی تھا۔ لیکن باضی تربی کی ارسوانی اور عمر ناک تکست فاش کے بعد کسی معافی اور حسن ظن کی کنجانش ہی باقی نہیں رہ لئی۔ اب بھی اکرامت مسلمین پر چوک جمال عبدالناصر کے تضییدہ سرایاتی وہ گھے ہیں تو وہ یا تو غلب دماغ کا شکار ہیں یا پھر انکا سلسلہ نسبتی ایسے درباری علماء سے ملتا ہے جس نے نظر اللہ کے جامِ شراب کو بہشت کا جام طور کرنے ہوئے حان وہی ہو۔ پرے علماء ہمارے بھارت میں بھی ہیں لیکن مگر ہوتا ہے کہ پاکستان اس معاملے میں ہم بریازی لے گیا ہے۔ اور شایدی بھی وجہ ہے کہ اسلام جتنا مظلوم پاکستان میں ہے بھارت میں نہیں۔ یہاں قتل و فزار تنگری ہو سکتی ہے۔ حقوق نلپی ہو سکتی ہے۔ دھاندی اور جانب داری ہو سکتی ہے لیکن دیوالی استبداد کا وہ ننگا ناچ نہیں ہو سکتا جو مسلمانوں کے پرنس لائی ڈیاں بھی اپنے پریوں میں فرزنا چلا جاتے اور علماء کے احتجاج کی قیمت پھونک کوڑی بھی باقی نہ رہے۔

بلیغی جماعت کے ذمہ دار حضرات کو ہم کیا توجہ دلائیں گے۔ ان کے یہاں ان معنوں میں کوئی ذمہ دار ہوتا ہی نہیں جن معنوں میں یہ لفظ آج کل مستعمل ہے۔ علاوہ ازیں متذکرہ معاملہ پاکستان کا ہے بھارت کا نہیں۔

ظاہر کئے بغیر آئے اپنا خیال ظاہر فرمایا ہے تو تم اس نام سے جو اب پر اتفاق اترے ہیں کہ اس نام میں شرعاً کوئی تامناست "نہیں"۔

آپ نے شاید ہیں پڑھا ہو کہ احادیث میں اللہ تعالیٰ کے ۹۹ اسمائے حسنی بیان ہوئے ہیں۔ ان میں "اعلیٰ" نہیں ہے بلکہ نافع، لبیر، الک ضرور ہیں۔ پھر یہی نام آپ مستبرے اسلام کرام کے پائیں تھے۔ یہاں تک کہ ابو الفضل ایک صحابی کی کنیت ہے۔ ابوکعب، ابوالخیر جیسے نام بھی عنق نہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کے صفح حسن پر ابو کاظما نہ کسی تباہت کا حامل نہیں سمجھا جائی تو چھسے فقط "اعلیٰ" ہے۔ "اعلیٰ" کا اضافہ کیوں قابل اعتراض ہے کہ۔ تپہ نہیں آپ کو بھی مولانا آزاد کی کنیت "ابوالکلام" پر بھی تامناست کا شبہ گذرا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں گذرا تو اب غور کیجئے کہ ابوالا علی تامناست کے تو ابوالکلام کیوں مناسب ہے؟

سوال کے دوسرے جزو کا جواب یہ ہے کہ کسی عالم فضل کو مولانا لکھنا بھی "ابوالا علی" کی طرح درست ہے۔ جی کہ یہ لقب اسلام میں نہیں تھا۔ حال ہی کی پیداد اہم ہے لیکن اب یعقوبیت عام حاصل کر گیا ہے تو خواہ خواہ اس پر دادر بحث دیتے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ خلش الگہ یہ ہو کہ قرآن میں خدا کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا، ای تو ازالہ اس خلش کا یہ ذہن نہیں کر کے فسرا لیں کہ عربی میں مولانا کا لفظ متعدد رہا ہیم کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ بڑا استعمال اس کا محبوب کے معنی میں ہے۔ کسی عالم کے لئے جب "مولانا" کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو لغتہ اس کا لفظ ہوں ہوتا ہے ہمارے مارکار وغیرہ۔ اور اصطلاحاً یہ ایک لفظ تعظیم ہے جو ہمارے ہذب اور شاستہ ہونے کی علامات میں سے ایک علامت ہے۔ یہ بھائیتے ہے ہزر اور سو سو ملیہ امور میں اختلاف کے شو شے نکانتا کوئی مفید کارہ نہیں۔

بھائیتے۔ قوّا الصنکمْ وَ أَحْدِلُكُمْ نَاسٌ۔ اس کے بعد بھی اگر وقت بیکے تو دل و دماغ کی پوری توجہ اور حس و جان کی پوری وقت کے صاحب اس راستے پر جو رجہ دیکھتے جائیں جسے آپ را ہ حق سمجھتے ہیں۔ معاندیر کی بدگوشیوں، مذاہتوں اور دسیسہ کاریوں سے اہم اتنا کو امان نہیں ملی۔ ان کے سچے پیروں اور ان کی اذیوت کے علمبرداروں کو کہاں ملے گی۔

دآپ کا دوسرا سوال جو اس سوال کی مقابلے میں طویل سہی اشارة اللہ اکلی اشاعت میں باجا ہے "ابوالا علی" اور "مولانا"

سوال ۲۔ از۔ ظفر صدقی۔ حیدر آباد۔

امیر جماعت اسلامی (پاکستان) مولوی ابوالا علی مودودی صاحب کے نام ایکیت پر تم کو حیرت ہے۔ کیونکہ بلاشک ہمارا خیال ہے کہ ابوالا علی کسی طرح اپنے آپ کو کہتا یا کہلوانا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ اگر یہ کنیت ان کے والدین کی رکھی ہوئی ہے تو بھی ایکیں بدل دیتا جائیتے تھا۔ اسلامی نقطہ نظر سے اس پر روشنی داکر ہیں مظلوم کیجئے۔

تیری تحریر سے آپ پہ شائزہ لیں کہ مجھے جماعت اسلامی یا امیر جماعت سے کوئی اختلاف ہے۔ دوسرا سوال یہ کہ کسی کے نام سے پہلے "مولانا" لکھنا درست ہے یا نہیں۔ امید کہ آپ اپنی اولین اشاعت میں جواب شائع فرمائیں گے۔

جواب ۴۔

ہمارا دوستانہ مشورہ یہ ہے کہ آپ اپنے علم و مطالعہ کی وسعت پر خاص تھے دین۔ ابوالا علی کے نام پر آپ کو حیرت ہوئی وہ شیخ ہے فلاحت علم اور صفت بصیرت کا۔ اگر اس نام کو نامنا سب تصویر کرنے کے وجہ بھلی آپ لکھ دیتے تو تم ان پر کچھ گفتگو کرتے لیکن جو

اس اجمال کی تفصیل بہتیری کتابوں میں موجود ہے۔ تحفہ اتنا عشریہ یا آیات بینات جیسی کوئی کتاب دیکھ لیں۔ ہم اسے پسند نہیں کرنے کے ایک ایسے دور میں جب کہ تمام ملت مشترکہ مصائب میں گرفتار اور ہمہ گیر مسائل سے دور چاہیے شیعہ فتنے اختلافات کی پر اپنی بحثیں نازکریں۔ ہاں آپ کے سوال کا جواب تا ضرور دین گے کہ حضرت علیؑ کو وصی رسول سمجھنا اور ولی اللہ فتنہ اور دینا کلمے کی تحریف یا انکار کے ہم معنی نہیں ہے جہاں تک ”ولی اللہ“ ہونے کا تعلق ہے تا اہل سنت بھی مانتے ہیں کہ حضرت علیؑ برگزیدہ صحابہ میں سے تھے نہایت عابروز اہل تھے۔ اللہ سے محبت کرنے والے تھے اور حضورؐ کو آپ کے گمراہی تعلق تھا۔ ان اوصاف کے جامع شخص کو ولی اللہ کہدیا جائے تو حرج کملے۔ ہاں وصی اللہ ہونا اہل سنت کے نزد دیکشیعوں کا وہی ہے۔ تا ہم متذکرہ قسم کی عاریت ملا کر کلمہ طڑھنا کلمے میں اضافہ تو کہلا سکتا ہے تحریف و تخفیف نہیں۔ کلمے میں دو بنیادی عقائد کو ہیں۔ صرف ایک خدا کا خدا ہونا اور حضور کا رسول ہونا۔ شیعوں نے ان دونوں بنیادی عقاید وہ کو مانا تو وہ مسلمان قرار پاٹے۔ اب ان کے ساتھ کچھ اور عقائد بھی انہوں نے بڑھا لئے ہیں تو یہ علم و تحقیق کی کسوٹی پر ضرور پر کھے جا سکتے ہیں مگر ان کی بہادر پیریہ الرحمہ دینا درست نہیں کہ شیعہ خدا کو واحد اور خدا کو اس کا رسول نہیں مانتے۔

جس شیعہ کے پارے میں آپ کو تحقیق علم ہو کر وہ بعض ایسے عقائد کا عامل تھا جن سے مومن دائرہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے تب تو اس کے جائزے کو کاندھا نہ دیجئے تا اس کی نماز پڑھیے۔ لیکن بغیر تحقیق کے صرف اس بناء پر کسی شیعہ جائزے کو کاندھادیتے سے محترز رہنا کہ وہ شیعہ فتنے کی میت ہے، ہمارے نزدیک درست نہیں ہے۔ شیعوں کے بہتیرے عقائد سے ہمیں لکھنا ہی شدید اختلاف ہو، لیکن یہ لوگ بہر حال خدا

شیعوں کا ایمان

سوال ۱۔ از سعدواحمد صدیقی۔ حیدر آباد۔
سوال ملکہ توحید کی وضاحت اگر ایسیں تعریف یا تخفیف ہو تو ایسا کرنے والوں کے لئے اسلام کا تاثر ان کی حکم دیتا ہے۔ مثلاً جیسے شیعی حضرات کلمے کے آنکے جو اضافہ کرتے ہیں جیسے (علیؑ ولی اللہ وصی رسول اللہ) یہ کہاں تک درست ہے۔

یہ اضافہ کلمہ توحید کے مطابق تو ہرگز نہیں ہوتا پھر یہ لوگ کس مبارکہ مون کہلانے کے حق ہیں؟
(۲) مذہب امامتہ تعلق رکھتے والے کسی فرد کے جزاہ کو کاندھادی سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر جواب نقی میں ہو تو کیوں نہیں دے سکتے؟

اگر جواب کاندھادیتے اور شرکت کرنے کے حق میں ہے تو ایسا کیوں؟ جب کہ وہ لوگ تو کلمہ میں اختلاف رکھتے ہیں۔ جو شخص اشخاص کلمہ کی بنیادی باتوں سے اختلاف رکھتا ہو تو وہ مسلمان تو ہرگز نہ ہلاتا ہو گا۔ اور جیسا ملکا ہی نہ کہلانا ہو تو پھر اسکے جزاہ میں شرکت یا کاندھادیتے اغایا بارا درست نہیں؟

جواب:

اچھا ہوتا کہ آپ ہم سے سوال کرنے کے بجائے علما نے کرام کی چند وہ کتب دیکھ لیتے جن میں سی شیعہ اختلافات پر علمی و تحقیقی بحثیں ہیں۔

شیعوں میں بہت سے فرقے ہیں۔ ان میں سے بعض کا حکم علماء حق کے نزدیک مسلمانوں جیسا ہے اور بعض کا غیر مسلم جیسا۔ حضرت علیؑ کی مبالغہ آئمہ تفسیل میں تو نام شیعہ فرقہ متحدا الحیال ہیں۔ لیکن مجرد تفسیل اخھیں دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتی بلکہ حسب ان کی مبالغہ آرائی بعض خاص حدود سے تجاوز کر جاتے تب وہ خارج از اسلام ہو جاتے ہیں۔

جس حدیث کا آپ نے ذکر کیا اس کے صحیح الفاظ یہ ہیں۔ من کنت مولوہ فعلی موکاہ شیعہ حضرات اپنے اس خیال کی تائید میں کہ حضورؐ کے بعد خلافت کے مستحق حضرت علیؓ تھے اس روایت کو بڑی شدید مذکور ہے میں کرتے ہیں۔

مگر ہم آنچہ سمجھنے کے دریافت کرتے ہیں کہ جب کسی شیعہ کی زبان سے آپ نے پروایت سنی کیا اس سے یہ بھی دریافت کرنے کی تحریت فرمائی گئی یہ پوری رفتار ہے کیا۔ کس کتاب میں آئی ہے۔ ترجمہ اس کا یہاں پہنچتا ہے؟ اگر فرمائی تو دعاوت فرمائیں کہ کس دافعی اس نے ایسی تشریحات آپ کے سامنے رکھدی تھیں جنہیں آپ نے معقول گمان کیا ہو؟ اور اگر نہیں فرماتی تو کیا خود آپ کی سمجھے کے مطابق اس روایت میں خلافت علی کے لئے کسی قسم کا ثبوت موجود ہے؟

ہم سمجھتے ہیں کہ آپ نے شخص کیانہ غور و فکر۔ بس یوں ہی سنی سنائی بات کو سوال بنانکر ہمارے سامنے پیش کر دیا۔ حشکہ حدیث کی عبارت بھی فقط سلط لکھدی یہ طبقی ذمہ دار نہ نہیں ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ کسی بھی پیش آمدہ قضیے میں بھت اپنی بہترین کوشش اور عقول د در است کا استعمال کرے پھر کسی اور طرف رجوع ہو۔

یہ حدیث ایسی ہی ہے کہ ایک معمولی علم و عقل کا آدمی بھی اسے دیکھے یا نہ کہ اس کے حاشیہ خیال تک میں بیشہ سر نہیں اٹھا سکت اک اس کوئی تعلق خلافت امامت سے بھی ہو سکتا ہے۔ اس کا سیدھا سادھا ترجمہ یہ ہے:-

”جسے میں محبوب ہوں اسے علیؓ بھی محبوب ہیں۔“

اس قول رسولؐ کو سنن اور سمجھنے والے کسی بھی صحیح الدین شخص کے لئے یہ سوال قائم کرنے کی آخر گنجائش کہاں نکلتی ہے کہ:-

”کیا واقعی جاشینی کے تعلق سے اشارہ کرنا تھا“

کو ایک اور محمدؐ کو اس کا آخری رسول مانتے ہیں اور حدیث و قرآن سے صراحتہ برأت کا انہا وہیں کرتے اس نے علمائے حق نے حقیقی الوسع ان کے معتقدات کو رفع فیضی پر محبوب کیا ہے نہ کہ خروج من الاسلام پر۔ ہاں جو لوگ ان میں کے حد سے تجاوز کر جاتے ہیں انھیں خالیج اسلام سمجھنے کے سوا چارہ نہیں۔

مسئلہ خلافت علیؓ

سوال ۶۔ (الیفٹ)

مسئلہ خلافت کے تعلق سے اکثر شیعی حضرات سے یہ کہتے سنائی گیا ہے کہ:-

”آپ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر (غدیر خم) آگے جانیوالوں کو واپس بلا یا اور تھیک رہ جانے والوں کا انتظار کیا۔ جب تمام حضرات جمع ہو چکے تو ان میں سے آپ نے خطاب نکرتے ہوئے واضح الفاظ میں حضرت سیدنا علیؑ کرم اللہ علیہ وسلم و جہہ کی خلافت کے تعلق سے اعلان کیا۔ تقریر کے دریں آپ نے یہ کہا۔ من کنتم مولا حفظہ اعلیٰ مولانا آپ نے یہ کہا۔ اگر ہو آپ کا مقصد کیا تھا؟ کیا واقعی کیا بھی ٹھکارے۔ اگر ہو آپ کا مقصد کیا تھا؟ کیا واقعی جاشینی کے تعلق سے اشارہ کرنا تھا اور نوذر بالتدبر کے خلیفہ اہل و خلیفہ دوام و خلیفہ سیم نے خلیفہ حسامؓ کے ساتھ زیادتی کی۔ اور ہم تو پھر وہ کیا تھوڑی کات تھے جس کی بناء پر سر کارے حضرت علیؑ کی جانش اشارہ کر کے من کنتم مولا ناہذا اعلیٰ مولدا کہے۔“

براہ کرم ان سوالوں کے جواب دیکھو تو فرمائیں۔

جواب :-

آپ کا سوال اپنے الفاظ اور معانی دونوں اعتبار سے یہ غلط ازدی کر رہا ہے کہ کسی مناسب کتاب کا مطابع کئے بغیر اور اپنے دماغ سے کام لئے بدون آپ سوال جھاڑ دیا ہے۔

فعلیٰ مولادہ۔ الحصر وال من و الداہ و عاد من
عاد اہ۔ داے اللہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علیٰ بھی
مولائیں۔ اے اللہ چو علیٰ کو دوست رکھے اس کو تو دوست
رکھو اور جو علیٰ سے عداوت رکھے اس سے تو عداوت
رکھو۔ ”

اس کے بعد حضرت عمرؓ حضرت علیؓ سے ملتی ہوئے
تو بڑی خنده پیشی سے فرمایا:-

” یا بن ابی طالب اصحابت و امیت میں
کل مومن و مومنہ (اے ابن ابی طالب) امبارک ہو۔
اب آپ ہر مومن اور مومنہ کے محبوب ہو گئے)
اب آج بخوب خود غور کر کے بتائیں کہ خلافت امامت
کے کسی اشارے کا شایعہ تاک میلوں اور کوئی کہاں پایا
جائے۔ اول تو جملہ ہی حالی ہے۔ حالانکہ خلافت کا شد
حضورؐ کی موجودگی میں حال کا نہیں۔ سبق کا مسئلہ ہو سکتا ہے
مومن کے معنی عربی لغت یا اصطلاح میں خلیفہ کے آئے
ہی نہیں۔ زیر دستی الگ کوئی نے توہاں اس لئے ممکن
نہیں کہ پھر تو ایک ہی وقت میں حضورؐ بھی اور علیؓ
بھی خلیفہ اور امیر المؤمنین ٹھیریں گے۔

حق یہ ہے کہ اس روایت سے خلافت علیؓ کا شوہر
نکالنا ایسی دساندری اور بوقضوی ہے جس پر کچھ کہتے
ہوئے بھی علم و عقل شرمندگی محسوس کرتے ہیں۔ عداوت
کے مقابلے پر دو لایت کا استعمال ہو رہا ہے اور کہا نیاں
ظرف نے دا لے اذہان اس سے خلافت کا افسانہ نکال رہے
ہیں۔

کمال یہ ہے کہ خود حضرت علیؓ نے یا ان کے معاون صحابہ
نے بھی اس ارشاد نبویؐ کو دیلیں خلافت کے طور پر پستہ
ہیں کہ حالانکہ اگر اس سے خفی ترین اشارہ بھی خلافت کی
پیش گئی کا نکالا جا سکتا تو جو شدید اختلافات اور
مجادلے حضرت علیؓ کی خلافت کے متسلسلے میں واقع ہوئے
ان میں تو حضرت علیؓ اور ان کے احوان و انصار ازاں اس
ارشاد نبویؐ کا حوالہ دیتے۔

اور ضرور بالشہر ہمارے خلیفہ اول و خلیفہ دوم
نے خلیفہ چھاروں کے ساتھ زیادتی کی۔ ”

اختصار کے ساتھ ہم اس حدیث کی تشریح کر کے
مزید تشریح چاہئے والوں کو مشورہ دیں گے کہ وہ سیرت
النبی یا اسعاف السیر یا تخفیہ الشاعشریہ یا نفس مناظرہ میں
تفصیلات دیکھ لیں۔

صورت یہ تھی کہ میں کی ہم میں جو صحابہ حضرت علیؓ
کے ساتھ تھے ان میں سے بعض کو حضرت علیؓ سے کچھ
شکایات پیدا ہو گئیں۔ حضرت بہریدہ کشمیؓ اور حضرت
حالد بن دیلمیؓ جیسے بعض صحابہ نے یہ شکایات حضورؓ سے
بھی بیان کیں اور حضرت علیؓ کا پرچار عالم زبانوں پر بھی آنے
لگا۔ اس صورت حال کو حضورؓ نے صحابہ کے بارہی اتحاد
اور موآخاة اور شیرازہ بندی کے منافی خیال فرمایا
اور اس کے ازالے کے لئے ایک خطبہ دیا۔

خطبہ کا مقام ”حدیرخم“ ہے۔ حمدہ مکے اور مدینے
کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ حدیر تالاب کو کہتے
ہیں۔ یہاں حضورؓ نے خطبہ دیا۔ اسی خطبے کا ایک جزیہ
ہے کہ آپ نے مجھ سے سوال کیا:-

الستم تعلمون این اولی المحمدین من
النفسهم ؟ دیکھا تو کچھ نہیں جانتے کہ میں مومنین کے
لئے ان کی اپنی ذاتوں سے بھی اولی (قدم) محبوب ہوں
یہ سوال دو اصل ایک آئی وتر آتی ہے۔ الست اولی
یا المحمدین من آن نفسہم۔

حاضرین نے جواب دیا۔ ”بے شک اے اللہ کے
رسولؐ!“

آپ نے اسی سوال کو پھر صیغہ واحد میں رکایا۔ الست
تعلمون این اولی بحکمِ مومن من نفسہ؟ دیکھا
تم نہیں جاتے کہ میں ہر مومن کے لئے خداوس کی ذات
سے بھی اولی ہوں۔“

حاضرین نے جواب دیا۔ ”بجا فرمایا اللہ کے رسولؐ!“
اب آپ نے فرمایا۔ ”الله من کنت مولاه“

بات اس سے زائد پچھے ہیں کہ خلافت علیٰ بلا فصل کا ایک من گھڑت خقیدہ شیخہ حضرات نے حریج ان بنالیا ہے اور اس کی صحت و صداقت کے لئے کوئی مضمون دینا ہیں ملتی تو توہماں ہی کو سجا بنا کر طور دینا یعنی کرتے ہیں۔ پھر چونکہ بہت سے لوگ بالکل بے خبر اور قلیل القہم ہیں اس لئے وہ ان کی ظاہر فرمیب باقویں میں آجاتے ہیں۔

ہمن سے اتفاق

سوال ۶:- از۔ اصغر علی۔

کتاب صفت کی روشنی میں اس کی نوعیت کیا ہے کہ ایک باحیثیت مسلمان ضرورت مند مسلمانوں کے مکامات رکھنے کی صورت میں یہ پیاس روپے اصل قرض میں سے محسوب ہوتے چاہتے ہیں۔ یا اگر مشلاً دوسروں کی ضرورت اور رکھ رکھاؤ میں صرف کئے تو صرف چار ماہ کا کرایہ اس ضرورت کے حساب میں رکھا جاسکتا ہے۔ رکھ رکھاؤ کی بھی ایک حدیت۔ غیر معمولی زیب و زیارت کا نام رکھ رکھاؤ نہیں لہذا اس شخص کو یہ بھی حق ہنس کہ غیر ضروری آرائش پر رومیہ ضرورت کر کے مالک سے وصول کرے۔

آخر کسی اور کو کرایہ پر دیا ہے تب بھی یہ مسئلہ ہے کہ کجا یہ کمال اصل مالک ہی ہے نہ کہ وہ شخص جس کے پاس رہن رکھا گیا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صاحب مذکور کا مبینہ طریقہ کار خلاف شرع ہے۔ اب ان کی امامت کا مسئلہ یہ نکلا کہ چھ سخیدہ لوگ ایک ہم شرعاً سے اگاہ کرنے پھر دیکھیں گے وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ اگر وہ اپنے فعل کے حوالہ پر کچھ تھی فرع کے دلائل لاتین تو ان دلائل کو پہارے یا کسی اور معاملہ ہم عالم کے سامنے اخبار کئے کہ لئے رکھنا پہلے ہے۔ یہ دلائل صحیح ہوں گے تو انھماں پر سے اعتراف اٹھ جائیگا۔ اور اگر غلط ہوں گے تو انہیں تلقین کی جائے گی کہ اپنے طریقہ عمل سے باز آجائیں ورنہ ان کی امامت درست نہ ہوگی۔

اور اگر وہ اپنے فعل کے حوالہ پر میتین انداز میں دلائل پیش کرنے کے عوض غصہ، یا پہلو ہی یا تاو پلات فاسدہ

کسی بھی شے مرمون سے فقط اتنا فائدہ اٹھانا تو جائز ہے جتنا اس طبق اس کی نگہداشت پر خرچ کرنا پڑے۔ مثلاً بکری ای آپنے کسی کی رہنمی کریں تو اس کا درودہ پیانا بھی کھانا آپ کے لئے جائز ہے کیونکہ بکری کو روزانہ خلانا یا لانا بھی پڑتا ہے۔ موسم کی میسا بت سے تھوڑی جگہ بھی اسکے استعمال میں رکھنی پڑتی ہے۔ اب شریعت نے اس پر شیانی میں تو آپ کو ہیں ڈالا کہ ان مصارف کا پانی پانی کا حساب کریں۔ بس تھیں ای مصارف اتنے ہی ہوتے ہیں کہ دودھ کی مالیت ان کے مسادی ہو جائے۔ لہذا یہ دودھ آپ کا ہوا۔ یہ دراصل اتفاق نہیں ہے بلکہ اسی مالیت کو دھول کر لیتا ہے جسے دوسری شکل میں اپنے مرہون بکری پر صرف کر رکھا ہے۔

مرتضی ذہنیت کا آئینہ دار ہے۔ آمین بالجھر مہاجر فرع بدین۔ ان جزئی مسائل میں احناف و شوافع کا اختلاف ہے لیکن اس اختلاف کا پطلب نہیں کہ احناف شوافع کو یا شوافع احناف کو گراہ سمجھیں۔ دونوں ہی کا استدلال حدیث ہے اور الحنفی و امام شافعی دونوں ہی مجتہدین جن کے اجھڑا دیکی پوزیشن یہ ہے کہ غلط بھی ہو تو ایک ثواب لازماً اس کے لئے مقدمہ ہے۔

کوئی بھی اہل حدیث یا شافعی اگر احناف کی مسجد میں آمین بالجھر پر عمل کرتا ہے تو اسے منع کرنے کا کسی کو حق نہیں اور جہان تک مسجد میں آنسے سے روکنے کا تعلق ہے یہ تو سراسر جاہلانہ اور ظالمانہ حرکت ہے جسے برداشت نہیں کیا جانا چاہتے۔ اب تک یہ قابلِ تحکم نہیں ہے اور تم آئسکی امت سلسلہ میں یا میں یا میں ہے کہ کوئی بھی مسلمان کی بھی مسجد میں بہ اطمینان شریک نہار ہو سکتا ہے اور تم آئسکو لوں کے پیرویاک دوسرا کے امام اور مقتدی بن سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ استہ الگ اس نوع تھصیب غلو اور سخت گیری کا چلن عالم ہو گیا جس کا آغاز متذکرہ متولی صاحبیت کیا ہے تو یہ رہی ہی یک جتنی بھی ختم ہو جائے گی۔ تمام مقتدیوں کو اس ناشاکستہ اور شر امیز طرزِ عمل کی نظر صرف مذکور کرنی چاہئے بلکہ متولی صاحب کو جبور کرنا چاہئے کہ اپنے آرڈر کو داپس لیں اور اہل حدیث کی آمد پر ناک بھوں نہ پڑھائیں۔

سے کام لیتے ہیں تو اسی امامت سے سبکدوش کر دینا چاہئے کیونکہ اس کا معاملہ ٹراحت ہے۔ اس کی آمیزش کا شعبہ تیک جن معاشرات میں ہوان سے پہنچنے والے مسلمان کو کرنا چاہئے پھر امام کی حیثیت حمناز ہے۔ وہ الگ با وجد سمجھانے اور توجہ دلانے کے سودی معاشرات سے کنارہ کشل نہ ہو گاؤں مقتدی کے دلوں سے کہا ہوتا ہے کیسے دور ہو گی۔ اور کہا ہوتا ہو گدر ہے تو ایسا امام حدیث کی رو سے بدترین امام قرار پائے جا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

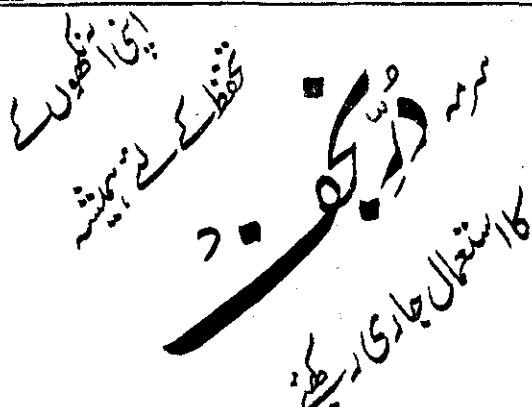
آمین بالجھر

سوال: از مشتاق احمد فاروقی - مغربی پاکستان۔
ہمارے یہاں ایک مقامی جامع مسجد میں جہاں احناف بھائیوں کی اکثریت ہے وہاں اُنہیں محلے کے دو اہل حدیث بھائی نماز پڑھنے آئتے رہتے ہیں۔ ۹۵ مقتدیوں کا مطالبہ تھا کہ دونوں آمین بالجھر نہ پڑھیں۔ بالآخر گذشتہ دونوں متولی مسجد نہ اسے ان دونوں کو کہو کہ یا تو آمین بالجھر نہ پڑھو یا پھر مسجد میں درت آیا کہ ویکونکہ فتنہ سیدا ہوتا ہے۔ اہل حدیث بھائیوں نے قرآن کریم کی مندرجہ ذیل دو آیات پیش کیں:-
۱۔ وَمِنَ الظَّالِمِينَ هُنَّ مُنْعَنِ مَساجِدَ اللَّهِ أَنْ يَنْذِكِرْ فِيهَا اسْمَهُ ۝
۲۔ أَتَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَا عِبَادًا إِذَا صَلَّى ۝

ہمارے نزدیک قرآنی دلائل میں کرنے والوں کا موقف صحیح ہے اور اس متولی کا فرض خدا کے سمجھاتے کہ آمین بالجھر نہ پڑھنے سے کوئی ایسا یہاڑ نہیں لوٹ پڑے اسی سے کہ کسی مسلمان کا مسجد میں داخلہ منوع قرار دیا جائے۔

جواب:

غلو اور انہا پسندی ایسے ہی امراض جیشیں جیسے کوڑھ، پیغمبر۔ متولی صاحبیت جو کچھ کیا وہ انتہائی





نام اپنے ہی لفظ والجھم سے ماتخذ ہے۔ یہ بھی صنیلوں کے لحاظ سے سورۃ کا عنوان نہیں ہے بلکہ محفوظ علمت کے طور پر اس کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانہ نہزاد [بخاری، مسلم، ابو داؤد اورنسائی] میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ اول سورۃ انزالت فیها سجدة فی التجم (پہلی سورۃ جس میں آیت سجدہ نازل ہوئی تھیم ہے)، اس حدیث کے حوالے اس سورہ بن نبیرید، ابو اسحاق اور زہیر بن معادیہ کی روایات میں حضرت ابن مسعودؓ میں مشقول ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوا ہے کہ یہ نہزاد حیدر کی وہ پہلی سورۃ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے ساتھ مجمع عام میں (اور ابن حرمہ یہ کی روایت کے مطابق حستم میں) سنایا تھا۔ مجمع میں کافرا و من سبب ہی موجود تھے۔ آخر میں جب تک آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ فرمایا تو تمام حاضرین آپ کے ساتھ سجدے میں گر گئے اور شرکیں کے وہ بڑے بڑے سردار تک جو مخالفت میں پیش تھے سجدہ کے بغیر نہ رہ سکے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیسان کرتے ہیں کہ یہی نے کفار میں سے صرف ایک شخص ایمانیہ بن خلفت شود لیکھا کہ اس نے سجدہ کرنے کے بجائے کچھ مٹی اٹھا کر اپنی پیشانی سے لگائی اور کہا کہ میرے لئے میں یہی کافی ہے۔ بعد میں میری آنکھوں نے دیکھا کہ وہ کفتر کی حالت میں قتل ہوا۔

اس واقعہ کے دوسرے علیین شاہد حضرت مطلب بن ابی دواعہ ہیں جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ زادی اور مستدر احمد میں ان کا اپنا بیان یہ نقل ہوا ہے کہ حب حضور نے سورۃ تجم پڑھ کر سجدہ فرمایا اور سب حاضرین آپ کے ساتھ سجدے میں گر گئے تو میں نے سجدہ نہ کیا اور اسی کی تلافی اب میں اس طرح کرتا ہوں کہ اس سورے کی تلاوۃ کے وقت سجدہ بھی نہیں چھوڑتا۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ اس سے پہلے رجبتہ نبوی میں صحابہ کرام کی ایک محصر سی جماعت جمیش کی طرف بھیت کریں گے

تحتی۔ پھر جب اسی سال رمضان ہیں یہ واقعیتیں آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے جمیع عام میں سورہ بحیرہ کی تلاوت فرمائی اور کافروں میں سب آپ کے ساتھ سحدے میں گئے تو عبس کے ہباجن تک یہ قصہ اس تسلسل میں پہنچا کہ کفار مذکور مسلمان ہو گئے ہیں۔ اس نمبر کو سنکر اُن میں سے کچھ لوگ شوالِ شہادت میں ملکہ والیں اپس آئتے مگر یہاں آگر معلوم ہوا کہ علم کی حکی اسی طرح جل رہی ہے جس طرح پہلے جل رہی تھی۔ آخر کار دوسرا ہجرت جلبشہ واقع ہوئی جس میں پہلی ہجرت سے بھی زیادہ لوگ مذکور چھوڑ کر پسلے گئے۔

اس طرح یہ بات قریب تریں یقینی طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ یہ سورت رمضان ہشہ بیوی میں نازل ہوئی ہے۔

تاریخی پیش نظر ازمانہ نزول کی اتفاقیں سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کیا حالات تھے جن میں یہ سورت نازل ہوئی۔ ابتدائی بعثت کے بعد سے پانچ سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف تجھی محبتوں اور مخصوص مسلموں ہیں یہی اللہ کا کلام سننا سنا کر لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف دعوت دیتے رہتے تھے۔ اس پوری امدت میں آپ کو بھی کسی جمیع عام میں قتران سننے کا موقع نہ مل سکا تھا کیونکہ کفار کی سخت مراجحت اتنی میں مانع تھی۔ ان کو اس امر کا خوب اندادہ تھا کہ آپ کی شخصت اور آپ کی تبلیغیں کس بلا کیش اور قرآن جی کی آیات میں کس غضب کی تاثیر رہے اس۔ لیکن وہ کوشش کرتے تھے کہ اس کلام کو نہ خود پسند نہ کسی کو پسند نہیں دیں اور آپ کے خلاف طرح کی غلط فہمیاں پھیلا کر غضب اپنے جھوٹ پر پہنچنے کے زور سے آپ کی دعوت کو دبادیو۔ اس غضب کے لئے ایک طرف تو وہ جگہ جگہ یہ ہو رکھتے ہیں کہ کھدا مصلی اللہ علیہ وسلم ہے کہتے ہیں اور لوگوں کو مگراہ کرنے کے درپے ہیں۔ دوسرا طرف اُن کا پیش قتل طریق کار تھا کہ جہاں بھی آپ قرآن سننے کی کوشش کریں ہاں سورہ حجاد یا جائے تاکہ لوگ یہ جان ہیں نہ سائیں کہ وہ بات کیا ہے جس کی بناء پر آپ کو مگراہ اور بہکا ہو آؤ دی اتسار دیا جائے ہے۔

ان حالات میں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرم پاک میں جہاں قریش کے لوگوں کا ایک بڑا جمیع موجود تھا، یکاک تقریر کرنے کھڑے ہو گئے اور اُس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی زبان مبارک پر بخطبہ جاری ہوا جو سورہ بحیرہ کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ اس کلام کی شدت تاثیر کا حال یہ تھا کہ جب آپ نے اسے سننا شروع کیا تو تجھی الفین کو اس پر سورہ بحیرہ کا ہوش ہٹانا رہا اور خلتے پر جب آپ نے سجدہ فرماتا تو وہ بھی سجدے میں گر کر گئے۔ بعد میں انھیں سخت پریشانی لاحق ہوئی کہ یہ تم سے کیا مگر وہی مسرد ہو گئی اور لوگوں نے بھی انھیں اس پر مطعون کرنا شروع کیا کہ دوسرا بیان کو تو یہ کلام سننے میں منع کر دیتے تھے۔ آج خود اسے زصرف کان لگا کر سننا بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سجدہ بھی کر گزرے۔ آخر کار انھیں نے یہ بات سننا کرنا پہچھا چھڑایا کہ صاحب ہمارے کانوں نے تو اُن رائے میں مذہب اللہ وَ الْعَرَفُ وَ مَنْهَا وَ الْأَذْنَانُ وَ الْأَخْرَى کے بعد میں کی زبان سے یہ الفاظ سننے تھے۔ تلك الغافلۃ العلی وَ ان شفاعتِهن لغذی جا۔ دیے بلند مرتبہ دیویاں ہیں اور ان کی شفاعت ضرور توقع ہے، اس لئے ہم نے تھا کہ محمد ہمارے طریق پر دو اس اگئے ہیں حالانکہ کوئی پاکی آدمی یہی سوچ سکتا تھا کہ اس پوری سورت کے سیاق و سیاق میں اُن تقویں کی بھی کوئی جملہ ہو سکتی ہے جو اُن کا دعویٰ تھا کہ اُن کے کانوں نے سے ہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو یقیناً القرآن جلدیم صفحہ ۲۲۵ تا ۲۲۵)۔

ممنوع اور مضمون تقریر کا موضوع کفار مذکور اُس رویتے کی غلطی پر مبنیہ گرنا ہے جو وہ قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مقلوبی میں اختیار کئے ہوئے تھے۔

کلام کا آغاز اس طرح فرمایا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہکے اور بھٹکے ہوتے آدمی نہیں ہیں جیسا کہ تم اُن کے متعلق

مشہور کرتے ہوئے ہو اور نہ اسلام کی تعلیم اور دعوت انہوں نے خود اپنے دل سے گھٹ لی ہے جیسا کہ تم اپنے نزدیک سمجھتے ہیجھے ہو بلکہ جو چھوڑ پشی کر رہے ہیں وہ خالص دھی ہے جو ان پر نازل تھی جاتی تھے۔ جن حقیقتوں کو وہ تحارے سامنے بیان کرتے ہیں وہ ان کے اپنے قیاس پر مان کی آفریدہ نہیں ہیں بلکہ ان کی آنکھوں دیکھی حقیقتیں ہیں۔ انہوں نے اُس فرشتے کو خود دیکھا ہے جس کے ذریعے سے ان کو علم دیا جاتا ہے۔ انھیں اپنے رب کی عظیم توانیوں کا برا اور است مشاہدہ کرایا گیا ہے وہ جو چھوڑ کر رہے ہیں سوچ کر نہیں دیکھ کر کہہ رہے ہیں۔ ان سے تمہارا جھکڑنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی انہما آنکھوں اے سے اُس چیز پر جھکڑے جو اُسے نظر نہیں آتی اور آنکھوں والے کو نظر آتی ہے۔

اُس سے بعد علی استاد تین مضمون ارشاد ہوئے ہیں:-

اولاً سامعین کو سمجھایا گیا ہے کہ جس دین کی تم پیر دی کر رہے ہو اس کی بنیاد حضن مگان اور من مانے مفروضات پر قائم ہے۔ تم نے لات اور میثات اور عزمی چن دیجی میں دیواری پوچھ کر رہا ہے حالانکہ الٰہ ہمیت میں برائے نام بھی ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ تم نے فرشتوں کو اللہ کی میثیا قرار دے رکھا ہے حالانکہ خود اپنے تھے تم میٹی کو عار سمجھتے ہو۔ تم نے اپنے نزدیک یہ فرض کر لیا ہے کہ تمہارے پیغمبود اللہ تعالیٰ سے تھا اسے کام بنوا سکتے ہیں حالانکہ تمام ملائکہ مقرر ہیں مل کر بھی اللہ سے اپنی کوئی بات نہیں ہونا سکتے۔ اس طرح کے عقائد جو تم نے اختیار کر رکھے ہیں ان میں سے کوئی عقیدہ بھی کسی علم اور دلیل پر مبنی نہیں، بلکہ جو چھوڑھات ہیں جن کی خاطر تم بعض اور ہم کو حقیقت سمجھ بیٹھے ہو۔ یہ ایک بہت بڑی بنیادی غلطی ہے جسے تم لوگ بتلا ہو۔ دین وہی صحیح ہے جو حقیقت کے مطابق ہو اور حقیقت لوگوں کی خواہشات کے ماتحت نہیں ہے کہ جسے وہ حقیقت سمجھ بیٹھیں وہی حقیقت ہو جائے۔ اُس سے مطابقت کے لئے قیاس و مگان کام نہیں دیتا بلکہ اس کے لئے علم در کار ہے۔ وہ علم تحارے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو تم اس سے مخدوڑتے ہو اور اُس اُسی شخص کو گراہ بھیراتے ہو جو تمہارے سامنے بات تبارہ ہے۔ اس غلطی میں تمہارے مقبل ہونگی اصل وجہ یہ ہے کہ تمیں آخرت کی کوئی فکر نہیں یہ بس دنیا ہی تحاری مطلوب بھی ہوتی ہے۔ اس لئے نہ تکمیل علم حقیقت کی کوئی طلب ہے زاد اس بات کی کوئی پرداز کہ جن عقائد کی تم پیر دی کر رہے ہو وہ حق کے مطابق ہیں یا نہیں۔

ثانیاً لوگوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ ہی ساری کائنات کا مالک و تحارے راست روہے ہے جو اس راست پر ہو، اور مگر اس راست سے ہٹا ہو ہو۔ مگر اسی راست روکی اور راست روکی راست روکی اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ ہر ایک کے عمل کو وہ جانتا ہے اور اس کے یہاں لانا براہی کا بدله بڑا اور بھلائی کا بدله بھلائی کو رہنا ہے۔ اصل فیصلہ اس پر نہیں ہوتا کہ تم اپنے زعم میں اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہو اور اپنی زبان سے اپنی پاکیزگی کے لئے بلے چوڑے دھوئے گئے ہو بلکہ فیصلہ اس پر ہونا ہے کہ خدا کے علم میں تم متفق ہو یا نہیں اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے احتساب کرو تو اُس کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ چھوٹے چھوٹے صوروں کے درگذر فرمائے گا۔

ثالثاً دین حق کے وہ چند بنیادی امور لوگوں کے سامنے پیش کئے گئے ہیں جو سر آن جید کے نزول سے صدر ہا برس پہنچتے ابڑا ہیں اور حضرت موسیٰ کے صحیفوں میں بیان ہو چکے تھے تاکہ لوگ اس غلط ہمی میں نہ رہیں کہ تمہاری اللہ علیہ کوئی نیا اور نہ ال دین لے آئے ہیں، بلکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ یہ وہ اصولی حقائق ہیں جو ہمیشہ سے خدا کے نبی بیان کرتے چلے آتے ہیں۔ اسکے ساتھ انھی صحیفوں سے یہ بات بھی نقل کر دی گئی ہے کہ عاد اور نمود اور قوم قوح اور قوم ایوط کی تباہی اتفاقی خواست کا نتیجہ نہ تھی بلکہ اس قدر نے اُسی ظلم و طبعیان کی پا داش میں آن کو بلا کیا تھا جسی سے باز آنے پر تنار کے کسی طرح آمادہ نہیں ہو رہے ہیں۔

یہ مضمون ارشاد فرمائے کے بعد تقریر کا خاتمہ اس بات پر کیا گیا ہے کہ فحیلے کی گھری قریب الگی ہے جسے کوئی طالع والا نہیں ہے۔ اُس گھری کے آنے سے پہلے تمہاری اللہ علیہ وسلم اور قرآن جید کے دوبلے سے تم فکر کو اُسی طرح خبردار کیا جائے گا۔

جس طرح پہلے لوگوں کو خبردار کیا گیا تھا۔ اب کیا یہی وہ بات ہے جو تھیں انوکھی لگتی ہے؟ جس کی قسم ہنسی اڑاتے ہو جو جسے تم سننا نہیں چلتے اور سورج محلتے ہوتا کہنی اور بھی اسے نہ سنتے پائے؟ اپنی اس نادافی پر تھیں رونا نہیں آتا جب آجاؤ اپنی اس روشن سے، جھک جاؤ اللہ کے سامنے اور اس کی بنگی کرو۔

یہی وہ موثر خاتمۃ کلام تھا جسے سنکر کفر سے کفر منکر بن بھی فضیل نہ کر سکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کلام اُپنی کے پیغام سے ادکار کے سامنے اور اس کی بنگی کرو۔

اللہ کے نام سے بُر حِنْ وَ حِسْمٍ هُ

قُسْمٍ ہے تارے، کی جب کہ وہ غروب ہوا۔ تھمار ارفیق نہ بھٹکا ہے نہ بہکا ہے۔

۱۵ اصل میں لفظ "النجم" استعمال ہوا ہے۔ ابن عباس، حمایہ اور سفیان ثوری کہتے ہیں کہ اس سے مراد شرعاً (۷۲۶ھ/۶۴۸ء) ہے۔ ابن جریر اور رغشی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ یعنی نک عربی زبان میں جب نظرها اجنم کا لفظ بلاتا ہے تو عموماً اس سے ثریا ہی مراد لیا جاتا ہے۔ مددی کہتے ہیں کہ اس سے مراد ذہر (۷۳۰ھ/۶۵۱ء) ہے۔ اور ابو عبیدہ خوی کا قول ہے کہ یہاں اجنم بول کر جس سخوم مراد ہی گئی ہے۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ جب صبح ہوئی اور رب ستارے غروب ہو گئے۔ موقع و محل کے لحاظ سے ہمارے نزدیک یہ آخری قول زیادہ قابل ترجیح ہے۔

۱۶ مراد ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خاطم طب ہیں قریش کے لوگ۔ اصل الفاظ استعمال کے لئے ہیں صاحبِ حکم "تحمار اصحاب" عربی زبان میں دوست ارفیق، سماجی، پاس رہے وانے اور ساتھ اُنھیں ملھے وانے کو کہتے ہیں۔ اس مقام پر آپ کا نام لینے یا "ہمار ارسوں" کہنے کے بعد کے "تحمار اصحاب" کہ کہ آپ کا ذکر کرنے میں تحریک ہمیزی معمولیت ہے اس سے قریش کے لوگوں کو یہ احساس دلاتا تقصیود ہے کہ جس شخص کا تم سے ذکر کیا جا رہا ہے وہ تحمار نے یہاں باہر سے آیا ہوا کوئی اجنبی ادمی نہیں ہے کہ اس سے تحماری پہلے کی کوئی جان بچان نہ ہو۔ تحماری اپنی قرم کا آدمی ہے۔ تحمارے ساتھ ہی رہتا ہے۔ تحمارا بچپن بچہ جاتا ہے کہ وہ کون ہے۔ کیا ہے۔ کس سیرت و کردار کا بکالا شان ہے۔ کیا ہے اس کے معاملات کا نام کیسی اس کی عادات و خصائص ہیں اور آج تک تحمارے درمیان اس کی زندگی کیسی ارہی ہے۔ اس کے بارے میں تمنہ چاہا کہ کوئی کچھ کہدے تو تحمار کے اندر ہزاروں آدمی اُس کے جانتے والے موجود ہیں جو خود یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بات اس شخص پر چیل ہوتی بھی ہے یا نہیں؟

۱۷ یہ ہے وہ اصل بات جس پر غروب ہونے والے تارے یا تاروں کی قسم کھانی گئی ہے۔ بھٹکنے سے مراد ہے کسی شخص کا راستہ رہ جانے کی وجہ سے کسی غلط راست پر چل پڑنا اور بکھر سے مراد ہے کسی شخص کا جان بوجھ کر غلط راست اختیار کر لینا۔ ارشاد اُپنی کامطلب یہ ہے کہ حجہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تحمارے جانے پر چانے آدمی ہیں اُن کے متعلق تم لوگوں کا یہ الذا بالکل غلط ہے کہ وہ گمراہ یا بدرہ ہو گئے ہیں۔ در حقیقت وہ نہ بھٹکے ہیں نہ بہکے ہیں۔ اس بات پر تاروں کے غروب ہونے کی قسم جس مناسبت تک کھانی گئی ہے وہ یہ ہے کہ رات کی تاریکی میں جب تکے نکلے ہوئے ہوں، ایک شخص اپنے گرد پیش کی اشیاء کو صاف نہیں دیکھ سکتا اور چنان اشیاء کی دیکھنے کی مشکلیں دیکھ کر ان کے بارے میں غلط انداز کر سکتا ہے۔ مثلاً اندر ہٹرے ہیں تارے سے سی درخت کو دیکھ کر اسے بھوت، بھوک سمجھتا ہے۔ کوئی وسی طبی دلیک کو اسے سانپ سمجھ سکتا ہے۔ ریت سے کوئی چنان بُکری ہوئی دیکھ کر بیخیال کر سکتا ہے کہ کوئی درود نہ پھانے (لہجہ الگھ و فتحہ پر)

(کن شستہ صفحہ کا بقیہ) لیکن جب تارے ڈوب جائیں اور صبح روشن نمودار ہو جائے تو ہر چیز اپنی اصلی شکل میں آجی کے سامنے آ جاتی ہے۔ اس وقت کسی چیز کی صفات کے بارے میں کوئی استنباط پیش نہیں آتا۔ الیسا ہمی معاملہ تھا رے یہاں تم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ہے کہ ان کی زندگی اور شخصت تاریخی میں چیزیں ہوتی نہیں ہے بلکہ صبح روشن کی طرح جواہر ہیں۔ تم جانتے ہو کہ تھا رایہ "صاحب" ایک نہایت سلیم الطبع اور دانا و فرز آنہ ادی ہے۔ اس کے بارے میں قریش کے سی شخص کو یہ غلط فہمی کیسے لاحق ہو سکتی ہے کہ وہ مجید ہو گیا ہے۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ مکان درجہ کا نیک نیت اور راست باز انسان ہے۔ اس کے متعلق تم میں سے کوئی شخص کیسے یہ رائے قائم کر سکتا ہے کہ وہ جان بوجھ کرنے صرف خود پر ہی را اختریار کر بیٹھا ہے بلکہ دوسروں کو بھی اُسی طبقے دامتہ کی طرف دعوت دینے کے لئے کھڑا ہو گیا ہے۔

لیجے — تجلی کے ایک

خاص نمبر

کی تیاری پھر شروع کر دی گئی ہے۔

یوں تو اس نمبر میں وہ تمام ہی دلچسپیاں ہوں گی جن کی توقع آپ اپنے تجلی سے رکھتے ہیں لیکن خاص مصنوع اس نمبر کا ان اعتراضات کا دفیعہ ہو گا جو مولانا ابوالا علی مسعودی اور جماعت اسلامی پر مختلف حلقوں کے جاتے رہے ہیں۔ یوں تو ہر اعتراض کا جواب فتنا فوقتاً دادیا ہی جاتا رہا ہے مگر اس خاص نمبر میں تم تمام قابل ذکر اعتراضات اور انکے مفصل و مدلل جوابات کو کجا کر دینا چاہتے ہیں تاکہ ایک مبسوط و ستاویر آپ کے پاس محفوظ رہے اور بوقت ضرورت آپ اس سے احتراقی حق اور الباطل باطل کا کام لے سکیں۔

مزید تفصیلات کا اعلان انشاء اللہ اگلے ماہ ہو گا۔

تجلی کے سالانہ خریدار اس نیچم اور مفید نمبر کو مفت حاصل کر سکیں گے۔ خیال ہے کہ اس کی عام قیمت تین یا چار روپے ہو گی۔

نیجر تجلی

مولانا ابوالاعلان مودودی

تفہم الحدیث

کا لفظ استعمال ہوا ہے، یعنی اس میں اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ اب یہنے والا اپنے حالات کو سامنے رکھ کر خود اس بات کا فحیضہ کرے گا کہ اسے زکوٰۃ یعنی چاہئے یا نہیں، اگر وہ واقعی ایسی حالت میں ہنچ چکا ہے کہ زکوٰۃ یہنے پر مجبور ہو گیا ہے، تو وہ لے سکتا ہے کیونکہ زکوٰۃ کا حق ان لوگوں کا ہے، جو فی الواقع مجبور ہو گئے ہوں۔

وہ حضرت عبید اللہ بن عوی بن خبیار کہتے ہیں کہ مجھ سے دو آدمیوں نے بیان کیا کروہ رسول اشر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چیزیں لوداع میں حاضر ہوئے۔ اپنے اس وقت زکوٰۃ تقسیم فرمائے تھے، انہوں نے حاکر زکوٰۃ مانگی، وہ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے نظر اٹھا کر اوپر سے نیچے تک بغور دیکھا۔ اپنے نے دیکھا کہم ہٹکتے ہیں۔ اپنے فرمایا کہ چاہئے ہر قویں محسین دے دیتا ہوں، مگر جو کمال نے کی تقدیرت رکھتا ہو، اس کا حصہ اس نزکوٰۃ میں نہیں ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ حلال نہیں ہے کسی غنی کے لئے، اور نہ کسی ایسے شخص کے لئے جو ہر طور پر کامنے کی قدرت رکھتا ہو۔

غنی کے لئے ظاہر ہے کہ صدقہ ناجائز نہیں ہے لیکن دوسرے شخص کے بارے میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے لئے «حلال نہیں» کا مطلب کیا ہے، کیا ایسے شخص کو زکوٰۃ دینے سے وہ ادا نہیں ہوگی، یا یہ کہ اس شخص کے لئے اس کا بینا حلال نہیں۔

زکوٰۃ دینے والا ظاہر حالات کو دیکھ کر قیاس کرتا ہے، اس کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کے حالات کی تحقیق کرے۔ لہذا ایسی صورت میں دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

یہنے دالے کے لئے ایک حدیث میں "حظ" کا لفظ آیا ہے، یعنی ایسے شخص کا، جو گانے کی قدرت رکھتا ہو۔ زکوٰۃ میں کوئی حصہ نہیں۔ ایک روایت میں "حق"

”وَحَضِرَتْ زَيَادَةُ حَارِثٍ فَرَسَّ سَرْوَاتْ هَذِهِ“ روايات ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور سیدت کی دامخون نے ایک لبی حدیث بسان کی دیہاں صرف صدقہ والا حصہ بیان کیا گیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میری موجودگی میں ایک شخص حاضر ہوا، اور کہا کہ صدقہ کے مال میں سے مجھے کچھ عطا کیا جائے آپ نے فرمایا کہ انہر تعالیٰ اس بات پر اضفی نہیں ہوا، کہ زکوٰۃ کے مال کی تقسیم (مدات مصارف) کسی نبی یا غیر نبی پر چھوڑ دے۔ بلکہ انہر نے خود اس کے مصارف مقرر فرمائے ہیں۔“

انہر تعالیٰ نے زکوٰۃ کے آٹھ مصارف مقرر فرمائے ہیں۔ حضور مکے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص سے آپ نے فرمایا کہ ان آٹھ میں سے تم کوئی ایک ہو تو میں تم کو زکوٰۃ دیدیتا ہوں۔ آپ نے اس شخص کو مطمئن فرمایا کہ اگر میں زکوٰۃ نہ دوں تو اس میں میرا کوئی اختیار نہیں، یہ تو انہر کے اختیارات میں ہے، اس نے جو مصارف معتبر فرمائے ہیں، اگر تم ان میں سے کوئی ہو تو میں تھیں دے دیتا ہوں، ورنہ معذور ہوں۔

اصلی بات اس میں یہ بیان کی گئی ہے کہ زکوٰۃ کے مصارف کا فیصلہ انہر تعالیٰ نے خود کیا ہے، انہر کے نبی کا بھی اس میں کوئی دخل نہیں، پھر حاصلہ کسی صدر خلیفہ یا پارلیمنٹ کو اس میں رو دہل کا کوئی انتہا ہو یہ تو نماز کی طرح ہے کہ جس طرح اس کی فحکل و صورت اور فرائض و اجرات وغیرہ احکام انہر تعالیٰ نے خود مقرر فرمائے ہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ کے مصارف بھی انہر تعالیٰ نے خود مقرر فرمائے ہوں۔

اس بارے میں فقہاء میں اختلاف ہے کہ آیاز زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے آٹھوں میں خرچ کرنا ضروری ہے یا ان میں سے کسی ایک میں بھی خرچ کیا جا سکتا ہے۔

یعنی جو لوگ تندرست ہیں اور کمائے کی قدرت رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا زکوٰۃ میں کوئی حصہ نہیں، یہ ان کے لئے ہے جو کہ نہیں سکتے۔

حضرت مولیٰ فرمایا ”تم چاہتے ہو تو میں تھیں دیہیتا ہوں“ اس سے معلوم ہوا کہ ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دینے سے وہ ادا ہو جائے گی، اس کی ذمہ داری حضور مولیٰ یعنی والے پر ڈال دی ہے کہ اگر وہ بے جا طور پر لے رہا ہے تو اپنی ذمہ داری پر۔ دینے والے کی زکوٰۃ ہر حال ادا ہو جائے گی۔

”حضرت عطاب بن یار (تابعی) مرسل“ یعنی صحابی کے واسطے کے بغیر، بیان کرتے ہیں درود ہری روایات تائید کر رہی ہوں تو مولیٰ حدیث فابن قاسمیوں ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ حلال نہیں ہے غنی کے لئے۔ مگر پانچ آموی (غنی ہونے کے باوجود لے سکتے ہیں)، غازی کی سبیل اللہ وہ شخص جو زکوٰۃ کی تھیں تھیں، وہ شخص جو قرضیں انجام دے رہا ہو، غارم وہ شخص جو قرضیں کے بوجھتے دیا ہو، وہ شخص جو زکوٰۃ کی چیز کو اپنے مال سے خرید لے، اور وہ شخص جسے زکوٰۃ کی چیز کسی غریب آدمی کی طرف سے بطور ہدیہ دی گئی ہو۔

۱۔ انہر کی راہ میں جہاد کرنے والا جہاد کے مصارف پورے کرنے کے لئے زکوٰۃ کے مال سے سامان جنگ خریدنا (پر رضا کار فوج کے بارے میں حکم ہے) ۲۔ زکوٰۃ دصول کرنے والا اپنا معاوضہ اس میں سے لے سکتا ہے۔

۳۔ غارم، مالی پریشانی میں بستلا ہو جانے والا، ان تینوں کا ذکر فتنہ آن میں موجود ہے۔

ماہنامہ انوار اسلام

ماہنامہ انوار اسلام ابو محمد امام الدین ام نگری کی زیر نگرانی آٹھ سال سے معین مقاصد کے تحت شائع ہو رہا ہے جو یہ ہے :-

- مسلمانوں کی بے بوث اور بے باکانہ و کالتی ترجیحی۔
- موجودہ دور کے ناساز گارحالت اور کفر والحاد کی لیف اریم مسلمانوں کے اندر ایمان و اسلام پر حجت رہنے کے لئے استقامت اور ثابت قدمی پیدا کرنا۔
- تم ادیان باطل اور نظام ہائے زندگی پر اسلام کی فویت و برتری ثابت کرنا۔
- اسلام کے قائم و جدید خصوصیات اور معاندیں و متزضرین کائن کے مذہب کے شواہد و دلائل کے ساتھ مسکلت و مدلل جواب۔
- مخدانہ اور اخلاق سوز علم و ادب کے مقابل پاکیزہ نظم و غزل اور علمی، معلوماتی، سوانحی اور تاریخی ادب کی اشاعت۔
- مقاصد بالا کے تحت مختلف عنوانات پر قسط و اور مستقل کتابوں کی اشاعت، تاکہ ہر مسلمان ھر ایک دینی و ملکی، علمی و فنکری بدرا فتنی تعلق ہن جائے ابتدک ہزاروں صفحات پر مشتمل ایک درجن سے زیادہ کتابیں خریدار ان ادار اسلام کو ہبہ ہو جائیں۔
- مسلمانہ چینہ صرف پاچ خود پرے بذریعہ منی اور طرف نہونے کے لئے پرچہ مفت طلب فرمائیے۔

دفتر ماہنامہ انوار اسلام پوسٹ ام نگر
بنارس (دیوبندی)

مالکیہ او چنپی کے نزدیک کسی ایک صرف میں خرچ کر دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی بلکہ کسی ایک شخص کو بھی دی جائے، تب بھی ادا ہو جائے گی۔ رسمے پڑے صحابہ کرام کی بھی بھی راستے ہے۔ امام شافعی کی راستے یہ ہے کہ آٹھوں مصارف میں ہفت کو ناضر دری ہے۔

”حضرت زید بن اسلم ایمان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے دو حصہ پیا اور ہبہست پسند کیا، پی لیئے کے بعد آپؑ نے دو حصہ لائے والے سے پوچھا کہ: دو حصہ کہاں سے لائے ہو۔ اس پر ایک کنوئیں کا نام لیا کہ میں وہاں گیا، تو وہاں پچھہ صدقہ کے جا لوز رہے۔ میں اخفیں دوہ کر لایا ہوں آپؑ نے فرما گھلق میں انگلی ڈالی اور سچے کر دی۔“ چونکہ حضرت عمرؓ کو ہتھ کے مستحق نہیں تھے۔ اس لئے معلوم ہونے پر فوراً قے کر دی۔

کوئی مومن ایک ہنڑ کے لئے بھی یہ برا شست نہیں کر سکتا کہ کوئی حرام چیز بخاطر سے معدے میں چل گئی ہو، وہ معدے میں رہ کر خون بننے اور جزو بدن بن جائے۔

حقیقت عبودیت

عبادت کے کہتے ہیں۔ اس کے کیا تفاصیل ہیں۔ اس کے حدود و قیود اور اوصاف و مشرائط کا ادارا کر نہیں۔ ان بیسا دی رنگات پر شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کا بیان رسالہ العبودیۃ اور دو باب میں۔ عامہم سلیس اور ایمان افراد۔ قیمت۔ ایک روپیہ ۴۵ پیسے۔

مکتبہ تحریکی۔ دیوبند (دیوبندی)

صَحَابَةِ كَبَّاتِھے؟

کالیوں کی راہ سے ہمارے اندر گوئی صحیتی حلی نہیں جاری ہیں کہ ایک مساجع ترین دشمن کو گوئشت پرست نے حسن نے شکست دیدی! — ایک فاقہ کش نے ایک کرڈر پی کو اڑالا! — ایک گناہ ڈاکو نے ہتھیاروں کی ایک دھمکی سے مشہور عوامی لیڈر کے ہوش ٹھکانے لکا دیتے! — اور کسی جس اور جاہل سرمایہ دار نے عقل و علم والوں کی شخصیت ہی خریدی۔ ان طاقتوں کے محدود دائروں پر لپھاتی ہزار ان طوفوں کی بھیڑ لکی ہوتی ہے مگر ان طاقتوں کی بیچارگی کا برتاؤ رحم نفسم ہی نظروں کے سلسلہ رہ پاتا ہے۔

بیوادی بات یہ ہے — کہ برساری طاقتوں آدمی کی باہری طاقتوں ہیں — اوپری طاقتوں ہیں — اندری ہی نہیں — یہ آدمی کے باہر اس کے جاروں طرف پر طجائی ہیں۔ لیکن جیسے ہی آدمی کے اندر کی شخص ایک مکروری اذرا سراٹھاتی ہے بس اسی دم ان طاقتوں کا بھرم مل جاتا ہے۔ تو کیا ایسی کوئی طاقت موجود نہیں جو خود آدمی کے اندر سمائی ہوئی ہو؟ ہر وقت اس تے ساتھ رہتی اور ہر جگہ کام آسکتی ہو؟ اس سوال کا جواب الفاظ سے کہیں زیادہ زندہ اور عملی مہشالوں کے ذریعے ان لوگوں نے دیا ہے جن کو لفظی تھا کہ زندگی کو سیدا کرنے والا خدا خود بھی زندہ ہے! — وہ اس وقت بھی زندہ تھا جب مان کے پیٹ میں ہمارا پورا جسم بن جانے کے بعد بھی قطعاً مارہ تھا — اور وہ اس وقت بھی زندہ تھا جب رحم مادر کی

”ایمان“ — ایک طاقت، ہزار آتشہ

لوہی میں ایک طاقت ہے —

سوئے اور چاندی میں دوسرا طاقت ہے —

آل واولاد میں ایک تیسرا طاقت ہے —

گوئشت اور خون میں ایک چھٹی طاقت ہے —

شہرت و ناموری میں ایک باچھیں طاقت ہے —

اور عقل و علمیت میں ایک چھٹی طاقت ہے —

ان میں سے جو طاقت کسی میں موجود ہوتی ہے وہ اس

کو اس آدمی کے مقابلے میں اپنے اندر میو جو جو محسوس کرتا

بھی ہے اور محسوس کرنا بھی ہے جس میں وہ طاقت موجود

نہ ہو — دنیا نے ان میں سے ایک ایک طاقت کو تسلیم کیا

ہے — لیکن ان تمام طاقتوں سے متعلق ایک حقیقت اور

بھی ہے جس کو جانتے ہوں ہیں مگر ماننے والے تھوڑے

ہی سے ہیں — اور وہ یہ کہ ان میں سے کوئی طاقت ایسی

”وفادار“ نہیں جو ہر وقت ہر مقام پر آدمی کے ساتھ

ساتھ چل سکے اور نہ ہی ان میں سے کوئی اتنی بڑی ”کامیاز“

ہی سے جو ہر بگیری کے وقت آدمی کا کام بناسکے — ہاں

ان کی کچھ اپنی اپنی حدیں ہیں — خاص دائرے میں جہاں

یہ طاقتوں دا تھی ”طاقت“ ہیں لیکن ان حدودی اور دائروں

سے باہر ان میں سے ہر طاقت محض ضعف و مکروہی ہے۔ کیا

آئے دن اسی دنیا کی ایسی بے شمار خبریں ہماری آنکھوں اور

اور ہمیں زندہ رکھنے کے لئے دنیا اور اس کے اسباب و دسائل اور حجم اور اس کے سامان میں سے کسی شے کا محتاج ہمیں۔ وہ اس وقت بھی زندہ ہے جب کوہہ ہمیں پرماہ راست ہمارے باہر سے لے کر اندر نکل دیکھ رہا ہے مگر ہم اس کے بجائے صرف اس کی صفات کو دیکھ رہے ہیں۔ جب کہ وہ ہماری باتوں کے ساتھ ہماری آواز بھی سُن رہا ہے مگر ہم اس کی بات اس کے رسیلوں سے اور اس کی کتابوں میں سُن رہے ہیں اور اس کی آواز ہمیں سنائی نہیں دے رہی ہے۔ جیکہ وہ ہم سے رُگ جان سے زیادہ نزدیکی میں اور ہم اس سے خود کو دور میں بے بعد ترین فاصلوں پر تحسوس لیا کرتے ہیں۔ اور وہ اس وقت بھی زندہ ہو گا جب وہ ہمیں ہمارے عقائد و اعمال کے اندر زندگی دے کر اس قابل بننا چکا ہو گا کہ وہ ہمیں اور ہم اسے دیکھ رہے ہیں وہ ہماری آدا نس رہا ہو اور ہم اس کی آدا نس رہے ہیں۔ وہ ہم سے نزدیک ہو اور ہم اس کے سوا ہر شے سے دور ہو کر اس سے قربت کے آخری معنی میں قریب ہو جکے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی اس وقت اس کے قریب ہو گا اور کوئی اس کی رحمت سے۔ لیکن قریب ہر شخص اس وقت اپنے خدا ہی سے ہو گا اور اس کے سوا ہر شے سے دور ہو چکا ہو گا وہ خدا اس وقت بھی زندہ اور قریب ترین معنی میں زندہ ہے جب کہ ہمارے بدن سے ہمارے عقائد اور عقائد سے اندر نکل رہے ہیں اور وہ اس وقت بھی زندہ اور قریب ترین ہی ہو گا جب کہ ہمارے ان ہی عقائد و اعمال سے ہمارے روشن یا سیاہ حجم اور ان کے دامنی ٹھکانے پر اپنے ہمہ رہے ہیں۔ یہ حقیقت اس بروشن ہو کر رہے ہیں۔ لیکن کسی کو خدا کے قریب و خذب میں پہنچ کر اس کا پتہ چلے گا اور کسی کو اس کی آغاہی میں زندگی میں آنکھیں ٹھوٹیں کر اس کا علم ہو گا۔

خدا کے جاؤ دانی و جاؤ دنیکی اُخڑ دی عالمت میں پیشی اور جواب دیجی کا یہ یقین ایک طاقت ہے جہاں دنیا سے

اندھیسااریوں میں ہمارے مردہ حجم میں جان پڑ رہی تھی وہ اس وقت بھی زندہ ہوتا ہے جب دن کی روشنی میں ہم اس بدن کو حرکت میں دیکھتے ہیں اور وہ اس وقت بھی زندہ ہوتا ہے اور ہمیں زندہ رکھتا ہے جب رات کے سناؤں میں ہمارے بدن سوجاتے ہیں۔ اس وقت جب ہمارے بدن کے اکثر اعضا و جوانح اپنا اپنا سارا کام بند کر دیتے ہیں۔ جب بدن کا ہر ایک عمل ملک جاتا ہے اس وقت بھی وہ ہمارے سانس کو نہیں رُکنے دیتا۔ ہمیں سالن دلماں رہتا ہے اور کروٹیں بدلوتا رہتا ہے۔ خواب میں بغیر پاؤں کے چلے ہوئے چلتا ہے۔ آنکھیں ٹھوٹے بغیر دھکھاتا ہے اور ان خوابوں میں اتنی دوڑتک لے جاتا ہے جو سارے پاؤں میں اپنے کاونس اور آنکھیں دھکھاتا اور سناد تک ہے جہاں تک ہم اپنے کاونس اور اپنی آنکھوں کی حد تک تجھی نہیں پہنچ سکتے۔ وہ اس وقت بھی زندہ ہے جب ہمارا بدن سونے کے بعد جاگتا بھی ہے اور اس نبھی وہ زندہ ہو گا جب ہمارا بدن قیامت تک ہمیشہ کے لئے سوتا چلا جائے گا۔ سوجاتے گا اور ہم سے ٹھوٹتھوٹتے گا۔ اس وقت ہمیں ہمارے ان کاہوں کے اندر زندگی کرے گا جن میں ہم نے اپنے یہ بدن استعمال کئے ہیوں گے اور ان عقائد میں ہمیں زندہ رکھے گا جن عفت ایک کی گود میں ہمارے وہ کام پیدا ہوئے تھے۔ وہ اس وقت بھی زندہ رکھا جب ہم سے یا سی دوسرے کی سفارشی یا منتظری کے بغیر وہ تحفظ اپنی رحمت اور حکمت اپنی دنیا پر ہمارے مردہ بدن کے اندر رہیں زندہ رکھ رہا تھا اور وہ اس وقت بھی زندہ ہو گا جب کسی دوسرے کی یا خود ہماری مرضی سے بے نیاز ہو کر محض اپنی مشیت کے مطابق ہمارے اسی بدن میں ہمیں ماں رہا ہو گا اور ساتھ ہمیں ہمارے عقائد اور اعمال کے اندر ایک دوسری شرم کی دامنی زندگی عطا فرمائی ہو گا۔ دوسری دنیا میں دوبارہ زندگی دے کر ثابت کر رہا ہو گا کہ وہ زندہ جاوید ہے

سامان کی پیداوار نہیں ہوتی۔ اس باب اس کے خالق نہیں سنت الاسباب اس کا مرکز ہے۔ چنانچہ دیکھا جاتا رہا ہے کہ اگر کسی میں یہ ایسا فی طاقت سچ مجھ موجود ہو تو مادی سازی سامان کے ساتھی نہیں زندہ نظر آتی ہے اس سے کہیں زیادہ مادی بے سرو سامائیوں کے ساتھ زندہ اور تو اناظر آتی ہے۔ ایک تدرست جسم میں تدرستی کے وقت یعنی کچھ ہوتی ہے ستر عالمت پر اسی بدن ہیں اس کا سوز و لذانہ کہیں زیادہ ہو جاتا ہے اور سکرات ہوتا ہے اس سے بھی زیادہ۔ ایک سرمایہ دار میں یعنی کچھ ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ اس کی رعنائیاں اور تو انایاں ان لوگوں میں نظر آتی ہیں جو فقر اور بے سرو سامانی کے مقام پر ہوں۔

شہرت و مقبولیت کی عوامی جلوت سے کہیں زیادہ خلوت میں اس کا جذب و جزوں قابل دید ہوتا ہے۔ بیکی اور بیماری کے لمحات میں اس طاقت کا الگ یہ محوس کرتا ہے کہ خدا اس سے اور وہ خدا سے کہیں زیادہ نزدیک ہو گیا ہے۔

”خدا“— اور — ”یوم آخرت“ کا یقین حس میں ہوتا ہے وہ اس آدمی کے مقابلے میں اس کی خاص طاقت محوس کرتا ہے اور محوس کر ادتا بھی ہے جس کے دل میں یہ یقین شکست اور انکار کا شکار ہو کر ختم ہو چکا ہو۔ خواہ اس محروم یقین کے ہاتھ میں خلا دیکی تلوار ہی کیوں نہ ہو اور اس کے جسم میں خون کی شدید تیریں قوت اور اس کے چاروں طرف مال دمناں اور انسانی تقدیر کی طاقت لئی ہی بڑی مقدار میں کیوں نہ موجود ہو۔ پھر بھی اس بے یقین کے مقابلے میں اس یقین والے کو اپنے اندر اور اپنے چاروں طرف ایک ناقابل شکست طاقت موجود محوس ہوتی ہے۔

چنانچہ باہر کی بڑی سے بڑی مقدار طاقتور کی طوفانی پیغام کے وقت بھی اس یقین والے کا یقین تمام رہتا ہے اور وہ اپنے مقام سے جتنی تک نہیں کرتا۔ لوگ اس کا سر کاٹ دلتے ہیں مگر اس کا سر جھوٹی طاقتور کی خدائی کے آگے جھوکا نہیں سلتے۔ وہ اس کا گلا گھونٹ دلتے ہیں مگر اس کی آزاد کو بدال نہیں سکتے۔ اس کے دل کی

تمام مظلالم اور بھلاکیوں کا پورا پورا الصاف ہو گا اور بندروں کی درندگی اور بندگی پر نہرا اور جزا کا شاذار ترین نکوند کھا کر خدا انسان پر ایک بار اور یہ بھیتہ کیتے یہ بات پھر کھوں دے گا کہ اپنی کائنات کو بنانے والا خود مدت نہیں گیا تھا اور مردہ جمیں کو زندہ کرنے والا خود نہیں گیا تھا! — اور یہ کہ اس کی یہ دنیا میں فانی اس کی پوری کی پوری متوازن اور منظم کائنات میں کوئی اندھہ بھر گئی نہیں بلکہ ایک تعمیری آزمائش گاہ کا پیرا سر ارمیں ان بھی۔

زینین پر کھڑے ہوئے انسان میں الگز میں کے اندر چلے جانے سے پہلے یقین میں اپنی گیا ہے تو یہ یقین آدمی کی اندر وی طاقت کا واحد لازماں خزانہ ہے۔ یہ طاقت جسم و جان اور زمینی سازوں سامان کے بجائے اس خدا کی صفات کمایہ کا ایک سرچشمہ ہے جس کی طاقت آدمی کے روح و جسم میں کام کرتی رہتی ہے تو وہ چلتا پھرتا اور ہستا روتا ہوا نظر آتا ہے اور عیسیے ہی وہ اس طاقت کو اس کے بدن سے نکال لیتا ہے وہ آدمی صحیح و سالم جسم کے باوجود اسی جگہ مٹی کا ڈھیر ہو گئے مٹی پر گر جاتا ہے اور مٹی میں میں جاتا ہے۔

یہی طاقت زندگی ہے۔ وہ ”زندگی“ جس کے تمام عنصر کو دنیا بھی جی ہے مگر پھر بھی آج تک انہاں پر کو جوڑ کر اس مجموعے میں خود زندگی میدا کرنے سے بکسر عاجز ہیں۔ اور یہی زندگی وہ حقیقی طاقت ہے جو سمجھی جسم کی شکل میں ظاہر ہوئی ہے۔ سمجھی ہتھیاروں کے ذریعے۔ سمجھی سرمایہ اور سمجھی عقل و علم کے افق سے چمکتی ہے۔ لیکن دنیا ٹھیک اسی جماعت کو شدت پوست، آہنی ہتھیاروں اور عقل و علم اور دولت میں الگ الگ یا ان سب سے مجموعے میں اس یقین و ایمان کی طاقت کو خدا کا انکار کرنے کے بعد سمجھی خود پیدا نہیں کر سکی۔

اظہار اس طاقت کا جمال و جلال بھی کسی نہ کسی مادی شکل میں ظاہر ہو اگر نہ ہے۔ لیکن یہ طاقت کسی بھی مادی

حریف سوئے چاندی سے کھینچنے والے عظیم سردار تھے۔ وہ آدمی مکتبی تعلیم سے بکسر نہ آشنا تھا جب کہ مدینہ میں یہ پروڈنھاری کے جغا دری علماء اس کے خلاف صفت ادا کرتے۔ اور بھر جسے جیسے تھا اور باطل۔ ایمان اور کفر کی کلکشن طریقی تھی وہ رہی ہی انسانی سرمیریت کی طاقت سے محروم ہوتا گا۔ اس کے دشمن نفرت انتقام کی دلی جنگاری سے تھے وستم کا بھر کتا ہوا الائچہ پتے چلے گئے اور انس کے حماقی رشتہ داروں کی برائے نام سی نعم را بھی رشتہ اجل کی نیز دستیوں سے نہ سے کم تر ہوتی گئی۔

جن وقت مکے میں شریط ظلم وستم کے چڑوں میں اسلامی تحریک چینی ہوئی نظر اسی تھی اور شہین سے کہیں تک بھی اس بات کے کوئی آثار نہیں تھے کہ یہ انسانی جنوں حد اپریقین کی آزادی کو زندہ بھی سمجھنے دیگا۔ وہ وقت جب جتاب بن ارت مظلومیت کے درود کربے بالکل سکلتے ہوئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ در خواست کر رہے تھے کہ آخر اپ کفر کی ان طاقتوں کی تباہی کے لئے بددعا کیوں نہیں کرتے؟ اس وقت پوری دنیا سے لڑنے والا یک دنہا پیغمبر خانہ کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگا رہے ہوئے یہ پریقین اعلان کر رہا تھا:-

”خد اکی قسم ! یہ دین کامیاب بھجتا۔ یہاں تک کہ صنعت سے حضرت نبی (ملک) ایک کو نے سے دسرے کو نہیں (سفر کرنے والا) کے سو اکسی کا خوف بھیرتی تھی کے دہن، خوف کے سوراخوں نہ کرے گا۔“

جن وقت طائف میں غنڈوں اور لوٹدوں کی بھیرتی کی بھیرتی کا یہیں اور پھر دوں کی بارشیں کرتی ہوئی خدا کے رسولؐ کو طائف سے باہر نکال رہی تھی اور پھر رسولؐ کی درد بھری دعا پر خدا نے فرشتوں کی غلبی طاقت ان کے حوالے کرتے ہوئے اس کا موقع دیدیا تھا کہ دشمنوں کی اس سرپھری آبادی کو ہلا کر کے زلزلہ لوں سے چل ڈالا جائے۔

دھرم کنوں کو خاموش کر سکتے ہیں مگر دل کو تبدیل نہیں کر سکتے۔ جن وقت ساری دنیا اس پر ملکہ حملہ آور ہورہی ہوئی ہے اس وقت بھی اس کا کٹا ہوا سرا اور خاک و خون میں لختہ رہا بدن اپنی ہی فتح اور دنیا کی شکست بر گویا مسکرا ہوتا ہے۔

یوں تو اس نیلے آسمان کے نیچے۔ اس خالہ ان کے فرشت پر جب بھی اور جہاں کہیں بھی ماڈی طاقتوں اور ایسا جانی قوت کا کوئی مفت بلہ ہوا ہے ایمان ہی سر بلند رہا ہے اور کفر نے ہی منہ کی کھاٹی ہے۔ لیکن اسلام کے سوا باقی تمام نہاد ہب جن کی عظمت بھری چاہیں تا سیخ کی روشی سے دُور ہو کر انسانوں اور جنکایات سے نریا دے بچنے نہیں رہیں۔ البتہ الگ اسلام کو تعصیب اور خود پرستی کی عنیداً تازگر خالص تاریخی روشی میں دیکھا جائے تو اس کے پیغمبر اور پیغمبر کے مانند والوں کی زندگیاں تمام نہاد ہب کی عالمی تابع کا زندہ ثبوت بن کر سامنے آتی ہیں۔ اسلام ان تمام نہاد ہب کی عظمت کی زندہ تصویر کر رہا ہے جن کے نام پر اسلام کے انکار کو دل وجہ سے زیادہ عزم زین بسجھے بڑھتے ہیں۔ اور یہ کتنا اچھا انعام ہے جا انہوں نے اپنے مذاہب سے اعظم محسن کو عطا فرمایا ہے!!۔ کاش! ایہ بات ہم میں سے کوئی ان لوگوں کو بتاسکے!۔ اے کاش!!

جن وقت ساتویں صدی کے آغاز میں جنریہ شہنشاہ عرب کے شہر مکہ، طائف اور مدینہ میں ایمان اور کفر کی بہ عظیم جگہ بھری ہوئی تھی تو اس وقت بقول۔۔۔ کارل انسل (جو اسلام کا کوئی رشتہ دار نہیں!) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں ”ایک آدمی تمام انسانوں کے مقابلے میں“

تھا دیکھنے اس کی کتاب (HEROES AND HEROES OF WORSHIP) اور پھر اس تھا آدمی کا حال یہ تھا کہ اسکے ساتھ جوان بیٹوں کی طاقت تھی نہ مان باپ کا سہارا تھا۔ دراں حاصل کر اس کے دشمنوں کی صفوتوں میں کوئی نہشت اور گرم غزوہ کی یہ طاقت پسپتہ بتاب پر تھی۔ وہ آدمی دولت اور ریاست کی طاقت سے خالی تھا جبکہ طالقہ میں اس

زندہ، شاندار اور فاختحانہ تھا:-

اس لقین کی بنادیں ٹھوں اور اٹل سچائیوں پر
اگر نہ ہوتیں اور انکے خصوصیات اور انسانوں پر اس کی بنیاد
ہوتی تو دنیا اور اس کی تمام طاقتیوں کی بھروسہ پور اور
مشترک کہ چیزہائیں لقیناں کا نام و نشان تک مٹا کر
رکھ دیتیں اور ہمیشہ کے لئے تاریخ میں یہ اعلان ثابت ہو
جاتا کہ معاذ اللہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیوی
کا سوانگ رجا کر جن انسانوں کو بے وقف بنانے میں
کامیابی حاصل کر لی تھی ان سب سے دنیا کی قہر مانی طاقتیوں
کے سامنے ہاتھ جوڑ کر اپنی اس حماقت سے تو بکری اور اس
بنوت کے سوانگ کا پردہ چاک اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے
چاک کر دیا۔

لیکن — کیا تاریخی دنیا میں ایسا ہوا؟ — اس کا
جواب خود تاریخ سے پڑھتے اور اس تاریخ سے جس کو
کسی مسلمان نے نہیں بلکہ غیر مسلم نے لکھا ہو — آپ یہ
دیکھیں گے کہ جب وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور
ان کے مانند والوں کی اس ایمانی طاقت کی مادی فتوحات
پر نظر ڈالتا ہے تو وہ کس فریضہ کی تھات کی طاقت کے
ہے! — ہیران اس پر کہ آخر یہ فتوحات کی طاقت کے
بل پیر حاصل ہوتیں؟ پریشان اس لئے کہ اس کا جواب
”اسلام کی ایمانی طاقت“ ہے اور اس کو تسلیم کرنے کو
اس کا جو نہیں چاہتا! — اس ہیرانی پریشانی کے
نقش کی ایک جھلک آشتمہ کی مشہور تاریخی کتاب —
(دی آسکفورد ہستری آف انڈیا آسکفورد ۱۹۲۳ء) کے
صفحہ دس پر ان الفاظ میں ملاحظہ ہے:-

”Din محمد اسلام کے پھیلاؤ کی تیزگاتی اور وہ
ڈراماتی اچانک پن جس کے ساتھ اس عقیدے
کے اندازے ایک چھا جائے والے اقتدار
کے مقام تک بلن رہتے تاریخ کا ایک اعجوبہ
ایک سجنے کی حیثیت رکھتا ہے۔ کوئی بھی چا
تلائشی بیان جو اس ذیل میں میش کیا گیا ہے

اس وقت وہی ادمی کہہ رہا تھا:-

”نہیں نہیں! — مجھے موقع ہے کہ یہ نہیں تو

ان کی اولاد اس دین تو قبول کرے گی۔“

اور جس وقت شہر میں تمام بلک عرب کی متحدا

وجہیں ۲۴ ہزار کا ہے لناک دل بادل لئے ہوئے مدیتے
کا صفا یا کر دینے کی قسم کھاتی آرہیں تھیں تو یہی آدمی ایک
مزدور کی شکل میں حفاظتی ختنہ قطعہ دتے ہوئے ایک
چھان پر کہ ال جلار ہاتھا تو یہ اعلان کر دیا تھا:-

”میں دیکھ رہا ہوں کہ ایران کی سلطنت اور

مصر کی بادشاہی نے اسلام کے آئے گئے

ٹیک دئے اور ان کے تاج و تخت مسلمانوں کے

قدموں پر آگے ا۔“

لقین واپسی کی پڑھت حالات کے علی الغم
جو زبردست پیشیں گوتیاں کر رہی تھیں وہ حالات کی منطق
سے اس وقت زیادہ سے زیادہ خواب پریشان ہی کہی جاتی
سکتی تھیں — ان جیروں کی غسلی تصدیق وقت اور تاریخ
نے بعد میں کی — بہت بعد میں — لیکن ان تمام خبریں
پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضے نے ان کے
وقوع سے برسوں پہلے اس طرح لقین کیا جس طرح ان کا لقین
دشمنوں تک کوتاری کے سامنے کھڑے ہو کر ناپڑے اور
ان کا یہ لقین یہ نہیں کہ حض ذہن و دماغ میں بندراں لکھا ایک
زندگی کے رگ و ریشمے سے پھٹوٹا اور صبح و شب کی ہر ایک
حرکت و عمل سے ظاہر ہوا کہ ان لوگوں کے اندر حضرت
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایمانی طاقت کا لقین خون کی طرح
پورے جسم میں دوڑ رہا تھا۔

آئندہ صفحات اور سطور میں —

ساتوں صدی عیسوی کی اس متذبذب تاریخ کی حفل ایک
جملہ خود اپنی انکھوں سے ہرا کھڑا الا اور تاریخی معیار
سے ہر تاریخ و مالا دیکھ سکتا ہے — دیکھ سکتا ہے کہ خدا
رسول اور آخرت کا لقین دریسرے لقینوں کی ساری
کائنات کے مقابلے میں کتنا بلند — کس قدر بھوس — کتنا

ہے اس لئے کہ اس گرفتار بلا کے مختصر سے صرف ایک آواز
نکل رہی ہے۔ صرف ایک فیصلہ کن آواز!

"احد۔ احد!۔ ایک!۔ بن ایک!۔
خدا ایک!۔ بن ایک!۔"

تمام بدن اُس آتش باردھوپ میں پینہ بنکر پھسل
کیوں نہ جائے۔ لوہے کی گرم و تپیدہ زرہ خواہ کھال
اور اس کے اندر گوششت اور طبیوں تک کو جلا کر کوئی ہمی کیوں
نہ کرڈے اور انسانی درندگی کی جنگھاڑتی ہوئی آوازِ آسمان
کو سر پر کیوں نہ اٹھائیں۔ مگر بلال جنتی کی یہ آواز
خالیوش تو کیا ہوتی، پچھا اور پُرسوز۔ دل دوز اور بے پناہ
ہوتی چلی جاتی ہے:-

"ایک!۔ بن ایک!۔ خدا ایک!۔ بن
ایک!۔"

بلال جنتی کی اس آواز نے خدا کے شہنوں اور بتوں
کے غلاموں کو پوکھلا کر رکھدیا۔ یہ رنجی درندوں کی طرح
خباڑ بن ارت پر جھپٹت اور۔۔۔ اُگ میں تپایا ہوا الرہان کے
سر پر پاندھڑا لگتا۔ اسی پر بس نہیں کیا گیا۔ ان کے
پکرے اُتار لئے گئے اور نگاہ کر کے انگاروں پر لٹا دیا گیا۔
کھال سیاہ ہو کر آبلوں میں تبدیل ہو گئی اور چھالوں سے
خون اور چربی باہر آنے لگی۔ تین پھر بھی ان کا انسان
سلامت رہا!۔ آدمی، اُگ اور لوہے نے سر جو کر جھٹے
دیئے۔ جھنگوڑا والا۔۔۔ مگر ان کا دل خدا کے قدموں میں سجدہ
ریز ہی رہا۔ اور ان کی پوری زندگی حضرت محمد صلی اللہ علیہ
وسلم کی صداقت پر تطبیقی اور تہ بانی رہی۔۔۔ یہی وہ انسانی
کمر تھی جس کو حضرت عمر فاروق پڑھیا دل و جل رکھنے والا انسان
اس وقت بھی رکھتے کی تاب نہ لامسا کا تھا جب کہ اسی پلے خشک
ہر چکے تھے اور علم و قسم کی وہ اُگ بھی کی سرد ہو چکی تھی جسکی
واحد یادگار اب حضرت خباڑ کی یہ "ہمہ داع" پاکیز
کمر تھی۔ ایسے یہ دل خلافت میں جب حضرت عمر فاروق
کے سامنے خباڑ بن ارت نے اپنی یہ مکروہوں کو کہا۔۔۔ یہ کمر

ایسا معلوم نہیں ہوتا کہ ان حیرت میں ڈال دیتے
وائے حقائق کا شافی و کافی جواب بن سکے۔"

اگرچہ ان سطحور اور ان زبردست الفاظ کے بعد
بھجوئی الواقع اس مختصر کی کمی بھی ترددیں و تخفیف کا دروازہ
ہیں۔ سند کر دیتے ہیں، یہی میورخ اپنے دل کے تقاضے سے
محجور ہو کر معقوقیت سے دست بردار ہو کر مُسی "تو از"
کی طرف اشارہ کرنے لگتا ہے جس کا انہم قطعاً غیر معقوق
انداز میں بار بار اسلام پر لکھا جاتا رہا ہے اور پھر غور
ہیں جو سبھی کیا جاتا رہا ہے کہ بھلایہ النازم اسلام پر چیزیں
ہوا ہی کہیے؟!۔ الفضاف پسند انسانوں کے لئے بہر حال
اس میں بھی عبرت کا سامان ہے۔ افسار کے بعد بلکہ
افسر اور کے ساتھ ساتھ اسلام کی ایمانی وقت کا انکار حق
پسندیوں کی نظر میں اس اقرار ہی کو ایک زبردست وقت
دیتے ہیں۔

• جس وقت پیغمبر نے اپنی یہ پیغام سنایا کہ "خدا ایک
ہے اور تمام نوع انسانی بھی ایک ہے" تو ان۔ کے اور ان کے
نقش قدم پر چلنے والوں کے خلاف ایک ظلم و قسم کی بیداری
نہم جل پڑی۔۔۔ مثال کے طور پر ایک شخص کو کٹا گیا اور
دوپہر کے جلتے ہوتے رہت پر ڈھاکر اس کے سینے پر تھر
کی بھاری سلیں رکھدی گئیں۔ ایک عورت کی دلوں
ٹانکیں دو اونٹوں سے باز رکھدی گئیں اور ان جانوروں
کو دو مختلف مستوں میں دوڑا دیا گیا جس نے اس شکار کے
بدن کے دو کر دیئے۔
(آر۔ باصور خدا سمحت۔ اپنی کتاب "محمد اور محمدان
ازم" میں مطبوعہ لندن۔۔۔ ۱۹۷۴ء)

• چلواتی ہوئی دھوپ میں لوہے کی گرم زرہ پہن اک
بلال جنتی کو پوری بے رحمی کے ساتھ زمین پر گھسیٹا جا رہا
ہے۔۔۔ ان کا جسم کس قریشی نکاحیں میں میں مگر جیسے
ان تکالیف سے ان کی روح پر وجہ طاری ہو گرہ گیا

یا سرگی بیوی ۔ ہاں یہی وہ حضرت سمیتہ ہیں جن کی ایسا نی طاقت بڑھا ہے میں جوان ہوئی ۔ ابو جہل کا سرخ چہرہ اور اس کے ہاتھ میں کھلا ہوا تھا اس پوڑھی عورت کی نظر کے سامنے آچکا ہے ۔ اور دردناک کے آخری خوفناک ارادے سے ابو جہل کی آنکھیں چک رہی ہیں ۔ اس کی خوفناک آواز کا نوں میں گوش رہی ہے کہ ”اسے عورت ؟ خدا اور محمدؐ کو چھوڑ دے“ لیکن وہ عورت فیصلہ کر چکی ہے کہ جان پر ایمان قربان کرنے کے بجائے وہ ایمان پر جان کی قربان کر کے خدا کے سامنے جانا پسند کرے گی ۔ درد نے خجور کو سستیہ کے انداز نہایت میں گھونپ ڈالا اور سمیتہ تائیج کو بنا کر دیکھو اسلام پر اس طرح شمار ہوتے ہیں ۔ اس طرح اس سیدھی تجھی بات پر جسے سارے جہاں کے مقابلے میں اکیلے کھڑے ہو کر آدم کے ایک تن تھے بیٹے نے دنیا بھر کے جھوٹوں کی دشمنی مولتے ہی تھی سب سے پہلے خدا کی ایک بوڑھی بیٹی نے انہیانی شجاعت کے سامنے جان دینے کی مثال قائم کر دی ۔ یہ وہ سب سے پہلا کلمہ تیری تھا جسے خون جیات کے آخری قطروں سے اس سرزینی کے ذریعوں پر تحریر کیا گیا جو زہین آج آدمی کے گناہوں کے بوجھ تسلی دی جا رہی ہے ۔ اب قیامِ قیامت تک جتنے زندہ انسان خاک کے ذریعوں کو اپنے حق پرست ہمیشہ سفرخ کرتے آئیں گے وہ سبک سب اس عورت کے پیچے ہوں گے اور یہی عورت اس دن خاک و خون میں تھرٹے ہوئے اس قافلے کی سالار کاروں بن کر نکلے گی جس دن آدمی کی پوری نسل موت کی نیند سے بیدار ہو کر خدا کے عرش کی طرف رواں دواں ہو گی ۔ (اسد الغاہر ۔ تذکرہ سمیتہ)

جن وقت عمران خطاب اپنے زمانہ لفڑیں پیغامِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دینے کا نیصلہ کر کے گھر سے چلے اور اشنازے راہ میں انشراف ہوا اجس اسلام کو وہ حفظ ہستی مٹانے چلے ہیں وہ تو ان سکھرانے میں خدا کی اپنی بہن فاطمہ بنت خطاب اور ان کے شوہر کے دلوں میں مسکن بن آچکا ہے

گواہی دے رہی ہے کہ جناب بن ارت نے انگاروں پر بوٹ کوٹ کراسلم کا کھسے پڑھا اور خدا اور رسولؐ کا دم بھسرا تھا ۔ اور خدا کے سو کوئی اس کامد گوارنہ تھا ۔ تو حضرت عمر فاروقؓ جھنوں نے زخمیوں اور جھالوں والے سجانے کے جسم دیکھنے تھے بے ساختہ پکارا ہے ۔ ”میں آج تک ایسی کسی کی کمر نہیں دیکھی ۔“ (اسد الغاہر ۔ تذکرہ جناب بن ارت)

اور یہی آگ اور گرم زردہ کا بستر اور بس عمارتیں یا سرکو عطا کیا جائے تھا اور صہبہ پڑھی بھی کم و بیش اسی عالم میں تھے ۔ لیکن آگ اور لوٹے کی زخمیوں میں جکڑ جگڑ کر جن جسموں کو خدا اور رسولؐ سے دور کھسید طیبیجا جارہا تھا ان جسموں کے اندر دھڑکتے ہوئے دل تھے کہ پر وزنہ دار خدا اور محمدؐ کی طرف ترپتے ہوئے چلے جا رہے تھے اور قریب ۔ اور قریب ۔ (اسد الغاہر ۔ تذکرہ صہبہ پڑھی)

حضرت ابو قلیبؓ کے جو پاؤں خدا اور محمدؐ کی طرف چل پکھے تھے ان پیروں میں گرم گرم آہمیاز تھیں ڈال دی ٹھیں اور کمر پر ایک بڑا پھر کس دیا گیا ۔ لیکن ایمان طاقت تو زخمیوں میں بندھ کر ہی پوری طرح آزاد ہوئی ہے اور چھاؤں میں دب کر ہی اس کے بال پر نکلتے ہیں ۔ اور آدمی کے اس لیقین پر جانی آتی ہے کہ حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی تجھی بات کی تھی کہ ”دنیا میں من کیلئے قیادخانہ ہے“ ۔ بوجھ اور گرمی جسم پر اتنا کام کرہی تھی اور ایمان قلب و دروح پر اپنا کام کریا تھا ۔ جسم بے ہوش ہو رہا تھا اور روح ہوش میں آدمی تھی ۔ انسان جتنا بڑھا ہوتا جا رہا تھا، ایمان اتنا ہی قوی اور حکم ہوتا چلا جا رہا تھا ۔ (اسد الغاہر ۔ تذکرہ ابو قلیبؓ)

ایک پوڑھی عورت بھی ان بلاکٹ این راہ حق کے درمیان دکھانی دے رہی ہے ۔ یہ عمارت کی ماں ہے ۔

کے متعلق تجسس اور طلب کا شعلہ بھر جٹ کا۔ اور جہاں انسان میں دو چیزیں جمی ہو جاتی ہیں خدا تعالیٰ کے اس کے دل کی بنداگی میں کھول دیتا ہے۔ قرآن مجید کے صفحات ان کے ہاتھ تک پہنچتے ہی تھے کہ ان کا دل ان کے ہاتھ سے نکلنے لگا۔ پہلی ہی لفڑی میں انہوں نے تمام فاصلے طے کرنے اور زندگی کی حقیقت بے جا بہو کر سامنے آئی تو وہ اپنی اس نبناہ کا فلسطی پر رونے لگے کہ جس آدمی پر انہیں جان شمار کرنی چاہیے لہنی اسی کی جان لینے کے ارادے سے وہ آج گھر سے نکلتے تھے۔ *(زاد العابہ۔ تذکرہ حضرت عرش)*

تو عمر ابن خطاب رحمی شیر کی طرح ہیں اور بہنوتی پر ٹوٹ پڑنے کے لئے مُظر ہے۔ ہیں آگر دروانے ہیں میں انہوں نے سننا کہ ان کی بہن اور بہنوں قدر آن یاک کی تلاوت میں مصروف ہیں۔ ایک غصہ نژاد آتش بیوگیا اور خون کی ساری محبت جل کر راکھ ہے کی۔ وہ ایک زبردست نفرت و انتقام کے عالم میں گھس آتے اور یہا را قہر و غصب ہیں اور بہنوتی کے جسموں پر اُتار دیا۔ خون میں نہائے ہوئے ان دو چہروں نے ان کی طرف دیکھا اور ایک چہرے کی سمت سے ایک آواز انہیں آئی ہوئی سترناہی دی۔ فاطمہ بنت خطاب کے ہر ٹوٹیں سے خون میں بھیگ ہوئے یہ الفاظ نکل رہے تھے:-

عمر! — جو جی چاہے کر ڈالو! —

اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا!

اُف! — یہ الفاظ!

کیا یہ شخص الفاظ ہی تھے؟ — یا کچھ اور?

نکلتے کیا!

اس بہن کے یہ الفاظ تھے جو اپنے اس بھائی کی طبعی سختی اور مزاج کی درشتی سے سب سے زیادہ واقعہ ہو سکتی تھی، اور جو اس خطرے کو اس کی پوری ہمیلنا کیوں کے ساتھ جسم اور جان پر گزرتا ہوا حسوس کر رہی تھی جو اس وقت ایمان اور زندگی کو درپیش تھا۔ ان الفاظ کی گونج میں وہ دماغ کھل چکے سوچنے پر جبور ہو گیا جو اسلام کے خلاف نفرت کا جواہر تکمیل بنا ہوا بھر کر رہا تھا۔

جبور ہو گیا کہ وہ سوچ کہ آخر یہ اسلام ہے کیا چیز جو دل میں ایک بار پرست ہو جائے تو پھر کی طرح نکالے ہیں نکل سکتا ہے۔ عمر ابن خطاب جیسے انسان کی حوصلہ آفرین صلاحیتیں انہیں غصہ اور نفرت کی سیاہ آگ کی پیٹ میں دوزخ کی طرف چیٹے لئے جاری تھیں فاطمہ بنت خطاب کے ان الفاظ نے ان صلاحیتوں کو اجاہ کی جنت الفردوس کی سمت موڑ دیا۔ پوری سنجیدگی اور پورے خلیص کے ساتھ پہلی بار عمر ابن خطاب میں سچائی

کان وَ الْوُسْنُ لِوَا!

کافر کے جملہ امراض مثلاً کم سننا۔ کافر سے سایہں سایہں دھرم دھرم سیوط پہنچنے کی آوازیں آتا۔ پیپ، خون، مواد بہنا، رخجم اور احتشلی بھیجی، کافر کا بھاری بن، سنساہرث اور بخاروں کے بعد کافر سنائی دنیا وغیرہ امراض کے عان کے لئے اپنے کمل حالات لکھ کر مشورہ منفت حاصل کیجئے۔

مایوس فِہا خلوٰ

خدا نخواستہ آپ ما آپ کا کوئی عذر نہ دوست کسی بھی مرض میں مبتلا ہے اور کوئی دوا اس پر اثر نہ کرتی ہو۔ اور آپ بالکل ما یوس ہو چکے ہوں تو آج ہی اپنی بیماری سے مکمل حالات لکھ کر مشورہ منفت حاصل کیجئے۔ مرتضیٰ کی تمام خطوط تابت پر شیدہ رکھی جاتی ہے۔

جو اب طلب امور کے لئے جو ابھی کام کر دے یا اپنا پتہ لکھا ہو اتفاقہ سروانہ

کیجئے۔

منیحہ کھدشہم فارسی حسبہ ط (۲-۷-۶)

ہر دوار

(اسنڈیا)

عبدالمجید شاداب

حضرت مصطفیٰ بن عمیر

دوسرا آخر جنگِ احمدیں ان کی غیر معمولی بہادری اور قابیل شہزادت۔ آئیتے ہم مختصرًا دیکھیں کہ اس جلیل القدر صحابی رسولؐ کی زندگی کے یہ چاروں دور کن خصوصیات کے حامل تھے اور کیوں ان کا نام آج تک تائیج اسلام کے صفحات پر جگلگار ہائے۔

حضرت مصطفیٰ بن عبایت حسین و جمیل لزوجان تھے۔ قد

درہیانہ، جسم مضبوط، رنگ سرخ و سفید اور آنکھیں بڑی بڑی اور سیاہ تھیں، پڑی خوبصورت گھنٹکر یا لیزپن رکھتے تھے۔ ان کی والدہ بہت دولتی تھیں اور مصطفیٰ کو بہت چاہتی تھیں۔ وہ انھیں قیمتی سے قیمتی، زم اور باریک لباس پہناتیں۔ حضرت روت کے بنے ہوئے مشہور حضرت جو تھے صرف امراء ہی استعمال کر سکتے تھے ان کے روزمرہ استعمال میں رہتے تھے، مزاج فطرتاً ہبایت نرم تھا اپنے لونڈی غلاف سے بھی مشق فاز سلوک کرتے، پڑے نظافت پسند تھے، اپنی بحکم میں سرب سے زیادہ عطر استعمال کرنے والوں میں سے تھے۔

آخر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیمیں ان کا ذکر کرنے تو فرماتے "مکریں

حضرت مصطفیٰ بن عمیرؑ اسلام کے ان مایہ ناز فتنوں میں سے ایک تھے۔ جن کی ذات پر مسلمان جتنا بھی خڑکریں کم ہے۔ درجہ امتیت سے لیکر عزودہ احمدیں ان انکی قابل رشک شہادت کا پورا عرصہ ایسے ایسے ایمان افسر و رواقع اسے پڑھئے کہ جن کا احاطہ اس مختصر میں مضمون میں نہیں کیا جاسکتا۔ ان کا نام مصطفیٰ اور کنیت ابو محمد محی الدالہ کا نام عمیر اور والدہ کا نام بنت جعفر بن عبد الله ارجمند میں مصطفیٰ بن عمیر بن باشم بن عبد منان بن عبد الله ارجمند یہوی کا نام حسنة بنت جحش تھا جن سے زینب نام کی ایک بڑی یادگار رچھڑی۔ لیکن ان کی اصل یادگار تو ان کی زندگی کے وہ کارنائے ہیں جو آج بھی تاریخ اسلام کا سر ما یہ افتخار ہیں۔

ان کی زندگی کو جاری ادوار میں کیا جاسکتا ہے۔ دوسرے اول حب حالت کفر میں تھے، دوسرثاں حب وہ ایمان لائے تیسرا دور مدینہ متورہ میں اسلام کے اولين مبلغ معلم اور نائب رسولؐ کی حیثیت سے ان کے شاندار کارنامے، اور

تحاہ اسے سب سے زیادہ محضہ اس بات پر کارہا تھا کہ مصعبت
لے خاندانی روایات سے بغاوت کرنے کی جرأت و حسارت
کی تھی۔ یہ جرم ناقابل معافی تھا لیکن وہ مصعب پر سختی بھی
نہیں کرتی پھر ہر تی تھی چنانچہ اس نے بیٹے کو ہر طرح سمجھا کہ اس
نئے دین سے باز رکھنے کی کوشش کی خاندان اور قبیلہ کی تھقیر
کا خوف دلایا، یعنی میں اور جگہ ہنسائی کا حساب
دلایا۔ اپنی محبت کا داد سطح دیا، یہاں تک کہ ان نعمتوں کو
چھین لینے کی حصہ دی جو بیٹے کو حاصل تھے۔ لیکن وہ اپنے عزم
میں چنان کی طرح اٹھ تھے، وہ کسی لایچ یا دھکی کو کب خاطر
میں لاسکتے تھے؟ انھوں نے ادب اور احترام کے ساتھ
اپنی ماں کو جواب دیا کہ میں نے جس دین کو قبول کیا ہے وہی اپنا
دین ہے، اور اب دنیا کی کوئی طاقت مجھے اُس دین سے بھیر
نہیں سکتی۔ اب ماں کا رودیہ بھی یہ لالا۔ یہی کل تک پروانہ
وار قدا ہونے والی ماں تکلیف بت بیٹے کی دشمن بن گئی اور اس
لے بیٹے کے عیش دار امام کے تہام ساز و سامان ایک ایک
کو کے اس سے چھین لئے۔ لیکن جب بیٹے کا نشرت توحید اس
ترشی سے بھی نہ اترتا تو ماں نے آخری حرہ استعمال کیا اور
اپنے ہی ہاتھوں اپنے لخت جگہ کو رسیبوں میں جاگڑ کر ایک کمرے
میں قید کر دیا اور کہا کہ ”لات و عزی کی قسم! جنتکی توحید“
کے دین سے باز نہیں آئے گا، میں بھی ہرگز رہا نہ کر دیجیا!“
ایک طویل مدت تک حضرت مصعبت قید و بند
کی تکلیفیں سپتے رہے لیکن زیان سے اُفت نہ کی، ان کو تم
تحا تو صفت اس بات کا داب وہ حضورؐ کے دیدار سے خود م
تھے لیکن انھیں اطمینان تھا کہ دن اان کے حال سے
پر خبر نہیں ہے۔ اور یہ جو کچھ ہو رہا ہے اسی کی مشیت
سے ہو رہا ہے۔

ایک دن ان ان کی وفا درست نے انھیں خردی کہ دربار
بیوت سے ان مہل ایمان کو جو مشرکین کر کے مظالم سہ رہے ہیں
تھے جبکہ کی طرف بھرت کر جانتے کی اجازت مل گئی ہے
انھوں نے بھی طے کر لیا کہ اب اس قید سے جو شکارا حاصل
کر کے رہیں گے۔ وہ یہ تو بیٹائی سے دن ڈھلنے کا انتظار

کوئی مصعبت سے زیادہ حسین خوش پوش اور پروردہ نعمت
نہیں

الغرض انکی زندگی بڑے عیش و آرام اور اطمینان
و آسانش سے سیر ہو رہی تھی اور دنیا کی کوئی تعمیر ایسی نہیں
تھی جو انھیں حاصل نہ تھی کہ اچانک ان کے کالون میں حضورؐ
رسالت کی خبر پہنچی۔ سخون دیدار کشاں کشاں یا رگاہ نبوت
تک لے آیا اور نکل کے اس حسین ترین نوجوان کی دنیا کے سب سے
زیادہ وجہ بہ انسان سے آنکھیں پہاڑیں۔ رسول خدا نے
تبسم فرمایا، پڑے تپاک سے خیر مقدم کیا۔ اپنے قریب بیٹا،
بٹھایا اور اپنے خصوصی دلنشیں اندازیں وعوتِ اسلام پیش
کی۔ اس پہلی نظر ہی نے مصعبت کے دل کی ساری تاریکی
تمام اضلال آپ و احمدیں ایمان کے نور سے بدل دی۔ دیر
کس بات کی تھی؟ فوراً کلمہ پڑھا، اپنا بالفہرست کار دو علم
کے ہاتھوں میں دیدیا اور اشعاع رسالت کے پروانوں میں شاہ
ہو گئے۔ رسول اللہ کا چہرہ محل اٹھا، رخسار دیکھ لگے
اور فرط محبت میں آپ نے حضرت مصعبت کو گلے سے لگایا۔
حضرت مصعبت کو اچھی طرح معلوم تھا کہ مسلمان ہونا
کن مصالحت کر دعوت دینے کے مترادف ہے اہل ایمان
پر مشرکین مکوکی طرف سے دن رات توڑے جانے والے
مظالم سے وہ بے خبر رہتے۔ انھیں اپنی ماں اور اپنے
خاندان کی اسلام دشمن فطرت کا خوب اندازہ تھا، وہ اچھی
طرح جانتے تھے کہ انھوں نے کس پر خار وادی میں قدم
رکھلے لیکن وہ حقیقت کے متلاشی تھے اور جب حق ان کے
سامنے پیش کیا گی تو انھوں نے بلا بھیک اسے قبول کر لیا۔
یہاں سے ان کی زندگی کا دوسرا درست رفع ہوتا ہے
ان کی ماں پر بیٹے کی تبدیلی مذہب کی خبر بھی بھکر گئی، اس
کی سمجھیں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ خانہ کعبہ میں رکھے ہیئے
سینکڑوں یتوں کی پستش چھوڑ کر محمدؐ کے ایک آن دیکھے
خدا کی پستش کیوں تکمیل کیا تھی؟ کیا وہ اور اس کے
جیسے ہزاروں اہل مکہ اور ان کے آباد احمد اسری سے سب
احسن تھے۔ انہوں نے اسی بیٹائی سے دن ڈھلنے کا انتظار

کرام اٹے دیکھا توجیہت سے گرد نہیں جھوک کالئیں۔ سرو در کائنات نے فریبا یا "احمد شداب دنیا اور اہل دنیا کی حالت بدل جائی چاہیے۔ یہ وہ فرجوان ہے کہ پریس کم میں اس سے زیادہ کرنی ناز پروردہ نہ تھا لیکن شکوہ کاری کی رجہت اور خدا اور رسول کی محبت نے اس کو تمام چیزوں سے بے نیاز کر دیا ہے۔

حضرت علیہ السلام ہے ہیں کہ ایک مرتبہ اور اسی طرح حضرت مصطفیٰؐ ایک بھٹی پرانی چادر میں دیکھ کر آپؐ کی آنکھیں

ڈپٹ بنا بھٹی تھیں۔

محفوظ رے ہی عرصہ بعد جب خورشیدِ اسلام کی ضیا پاش کرنیں کوہ ناران سے گذری ہوئی بدرتہ کی دادیوں میں پڑھیں اور مدینے کے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کریا تو انہوں نے دربار تبرت میں درخواست بھیجی کہ ہماری تلقین و تعلیم پر کسی کو مامور فرمایا جائے تبلیغ دین کا کام کوئی آسان نہیں۔ اسی قدم قدم پر بخارا لفت کی تبیر و تند آندھیوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ دشمنیں کے طنز و استہزا کو ہنس ہنس کر برداشت کرنا پڑتا ہے۔ صدیوں پر لئے مذہبی تصورات کو لوگ آسانی سے بدل دیئے کوتیاں نہیں ہو سکتے تھے جب تک ان کے سامنے اس سے بہتر نظر آزندگی عملی صورت میں پیش نہ کیا جائے۔ ایک مبلغ کا نام مفہوم اور شریں کلام اپنے کے ساتھ ساختہ صاحبِ عزم و استقلال اور بندہ صبر و رضا ہونا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے یہ بتایا تھا کہ نیز تھیں اور کچھ پوچھئے تو ان سے زیادہ ان یاؤں کو سمجھنے والا ہو بھی کون سکتا تھا؟ صرف اس "جرم" میں کل آپؐ لوگوں کو خدا نے واحد کی قبول کرنے کی دعوت دے رہے تھے۔ آپ کو جو ادیتیں سہیں پڑی تھیں، جن ادیچے ہمچیاروں کا مقابلہ کرنا پڑ رہا تھا ان کو دن نظر کھٹے ہوئے۔ بدینے میں تبلیغ اسلام کیلئے غیر معقولی کیہ کڑک کے انسان کی ضرورت تھی۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ حضورؐ کی نگاہ جو ہر شناس نے یہ عظیم ذمہ داری کس کے سپر دکی؟ حضرت مصطفیٰ بن عمسیہؓ کے !!

یہ حضرت مصطفیٰؐ کی زندگی کے تیسرا دوسری کی ایسٹدا تھی۔ ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ

گزرے لگے۔ آج ایک مدت کے بعد ان کی آنکھیں۔ پیاسی آنکھیں۔ دیدار رسولؐ سے سیراب ہوئی۔ دن گزر، پھر رات آئی اور جب رات آدمی سے نیزادہ دھنگی تو یہ دیوانہ رسان نظر اکبر سید صاحب کاشانہ، نبوت اپنیا اور رسول انہر کے بغل تھیں ہوا۔ مخصوصی دیر کے بعد جب جلیش کی طرف جانے والے تا قلعے نے خاموشی سے کوچ کیا تو حضرت مصطفیٰؐ بھی اس قلعے میں شامل تھے۔

جیش پیغمبر حضرت مصطفیٰؐ کو اپنی عمر میں ہر یہاں تک معاشر کرنی پڑی اور تاریخ شاہر ہے کہ انہوں نے وہاں کبھی بھی سخت سے سخت اور مشکل سے مشکل کام کرتے ہیں عار محسوس نہ کی۔ مکر اور جلیش کے مصائب دراصل ان کے نے ایک ٹریننگ کی حیثیت رکھتے تھے، ان مصائب کی حصیں ان کو اسی لئے ڈالا گیا تھا کہ وہ یہاں سے کندن بخوبی کھلی جائے۔ عنقرس خدا کو ان سے ایک عظیم اشتان کام لینا تھا، حسین میں صبر و مشقتوں کی بدرجہ اتم صورت پیش آئے والی تھی۔

حضرت مصطفیٰؐ جب جلیش سے نکلے واپس پہنچنے تو ان کی حالت دیکھ کر ان کی والدہ کا دل بھی بیٹھ گیا اور وہ ان پر مزید مسلمان تے اعادے سے باز آگئی تھی تو اب ان کا رینگ روپ رہا تھا، آن بان، بچوں سے رخسار کھلا گئے تھے اور تندرست و تو ان مصطفیٰؐ مہریوں کا ایک ڈھانچہ رکھ کر تھے۔ دو دوسرے پے کا جوڑا زیست ان کرتے والے امیرزادے کے سامنے پیش تھیں ایک چار بھتی۔ کل جس کے لئے حضرت مصطفیٰؐ کے بنے ہوئے پیش تھیں خوتے منگوائے جاتے اور جسکی سواری کے لئے بلاذر عرب کے ڈھونڈ کر بہترین ٹھوڑا احاصل کیا جاتا تھا۔ آج وہی نازوں کا پلا عرب کی آگ اگاتی ہوئی زمین پر نکے پاؤں چل رہا تھا، لیکن خدا اور اس کے رسولؐ کا یہ دلوانہ کستنا مطمئن تھا، کتنا آسودہ تھا۔ یہ اس کی ماں کس طرح جان سکتی تھی۔

اک بار دریا نہر کے نام سے مصطفیٰؐ اس شان سے پہنچ کر جسم پرست پوشی کے نام سے محض ایک کھال لٹک رہی تھی، صحابہؓ

اور عیسائی بھی گیا اخپیں بیک وقت تین تین چین معاذوں پر مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ ان کے کام میں ہرگز طریقے سے کافی پڑیں پیدا کی جانے لگیں۔ خصوصاً بنی سخارے اخپیں اور ان کے میزبان کو سرت پر شان کیا۔ جب ان کی سختیاں حد سے برطانوں کی توجیہ حضرت مصطفیٰ، حضرت اسد کے ہاتھ میں پڑیں تو جو اس مصطفیٰ کے ہاتھ میں پڑیں اور حنفی شدید تر ہوئی ہو گئے لیکن جوں جوں رکاوٹیں اور حنفی شدید تر ہوئی گئیں توں توں ان کا جذبہ تبلیغ اشاعت فزوں پر ہوتا گیا۔ استاد ایمان لانے والوں کی تعداد بہت کم اور کامیابی کی رفتار بہت سُست رہی لیکن آہستہ آہستہ اہل ایمان کی تعداد بڑھنے لگی اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت مصطفیٰ کے حوصلے بھی۔ پھر حبیح حضرت سکریٹری جنور اور ان کی طرح دیگر خوش نشانے مدینہ بھی فوریتاً سے فیضیاں ہوئے تو حضرت مصطفیٰ کے مشن کو برٹی تقویت تلى گئی، پھر ستو طفرا ایمان لے آئے اور حب قبیلہ عرب الاشیل حلقة بگوش اسلام ہو گیا تو انصار کے گھر انہیں میں کوئی ٹھہرایسا نہ پیا تھا کہ جس میں کوئی نہ کوئی اسلام نہ لے آیا ہے۔ مدینے میں اہل مسلمان ہی معزز اور صلاح کا شمار کئے جانے لگے۔

ایک دن حضرت مصطفیٰ کی ایک درخواست پار گاؤں نیوی میں پیش ہوئی جس میں اخپولن سرکار دو عالم سے مدینے میں نمازِ جمعہ قائم کرنی کی اجازت چاہی تھی اور وہ دن بھی مدینے میں ایک یادگار دن تھا جب حضرت مصطفیٰ نے حضرت سعد بن حشیث کے گھر میں نمازِ جمعہ کی بتا دی۔ پہلے گھر سے پور کر ایک موثر خطبہ دیا پھر خشیر و خضریع کے ساتھ نماز پڑھائی اور اور عرب کی مشہور زبانہ مہمان نوازی کی روایت کو قائم رکھتے ہوئے بعد نماز حاضرین کی ضیافت کئے تکریزی ذرخ کی گئی۔ اس طرح یہ شرف بھی حضرت مصطفیٰ ہی کو ملا کہ ان کی تحریک سے اس شعار اسلامی کی بنیاد پڑی جو ساری دنیا کے مسلمانوں کو مہمہ میں ایک بار

بیسیدوں جلیل القدر صحابہ کے ہوتے ہوئے عظیم الشان نصب — نائب رسول ہونے کا منصب — ان کو عطا کیا جائے گا۔ ان کی ذات پر حضور کے اس درجہ اعتماد نے اخپیں فرط مسرات سے بخود بنا دیا، اس دن ان کے قدم زین پر نہیں ڈرمہ ہے تھے۔ ایک ایک صحابی پسے ملتے، اپنی خوش بخشی کا ذکر کرتے اور ساری کیادیاں وصول کرتے ہوئے دن بار گاؤں نیوی میں پہنچے، کہنا تو بہت چاہتے تھے لیکن عمر میں یہی بار ان کی زبان نے ان کے خیالات کا ساقیدی نے سے انکار کر دیا، کہہ سکے تو صرف اتنا کہ "یا رسول اللہ" میں اس قابل نہ تھا۔ آپ مسکرائے اور حضرت مصطفیٰ کو اپنے قریب بٹھا کر پڑی دیرتک صدری مشوارے مرحمت فرماتے رہے۔ دوسرے دن صبح سوریہ دو عالم کے شہنشاہ کا یہ نائب اس کو در فرا اور اس شان و شوکت سے عازم مدینہ ہو اک اس کے مدن پر شانوں سے لٹکتا ہوا پیوند رکا ہوا ایک میل تھا جو مشکل ان کے ٹھہڑیوں کے بیچ تک پہنچ پاتا تھا پا تھیں ایک عصا تھا اور کمر سے لٹکتی ہوئی ایک چھوٹی ٹیکی خیلی تھی جس میں کچھ ستو اور کچھ کھجوریں بھیں۔ یہی اس کا سامان سفر تھا۔ اور یہی زاد راہ۔

"خدا حافظ" رسول خدا نے جذبات سے بوجھل آواز میں کہا اور اپنے دو اذن پا تھے دعاویں کے لئے اٹھائی تاریخ ہمیں نہیں بتاتی کہ اس گھری خدا کے اس حبیوب ترین بندہ نے اپنے رب سے کیا مانگا ہے لیکن ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس وقت اپنے سوائے اس کے کیا خرمایا مانگا کر اے" پروردگار مصطفیٰ کی حفاظت فرم اور اس کے ذریعے مدینے والوں کو ہدایت عطا فرمایا!"

مدینے میں حضرت مصطفیٰ، حضرت اسد بن زرارہ کے گھر میں فروکش ہوئے اور گھر پر کم تعلیم قرآن داشاعیت اسلام کی دعوت دینے لگے۔ ان کو دن رات ایک بھی دھن تھی کہ کسی طرح سارے مدینے کو کفر و شرک کی ضلالتوں سے نکال کر ایمان کا نور عطا کریں۔ یہاں ان کی مخالفت میں بت پرست بھی تھے، یہودی بھی تھے

جس آیکتا ہم پر ہر صحابی نے خوشی اتفاق کیا ہے؟ حضرت مصعبؓ کا اختصار جنگ احمد میں بھی یہ شرف و منصب خود خود ان ہی کو ملا۔

غزوہ احمد میں جب ایک الفاظی غلطی نے فتح مشکن کا پالنہ ملٹ دیا اور قاتم مسلمان ناگہانی طور پر مغلوب ہو کر منتشر ہو گئے، اس وقت بھی یہ علیحدگار اسلام یکہ وقہ مشرکین کے زخم میں ثابت تدمی سے ڈھارہا۔ مشرکین کے ایک شہسوار نے ٹھہر کر ان کے دامن ہاتھ پر تکڑا کاوار کیا جس سے حضرت مصعبؓ کا ہاتھ کٹ کر گردیا۔ ایک انھوں نے علم گرنے نہیں دیا اور غوراً اسے مایمین ہاتھ میں لے لیا اس نے مایمین ہاتھ پر بھی بھرپور اور کنیا اور ہاتھ بھی شہید ہو گیا۔ اب علم اسلام کے سرستکوں ہونے میں کیا شہد ہوتا تھا یعنی حضرت مصعبؓ ہارہانتے والوں میں سے نہ تھے انھوں نے علم کو اپنے دلوں بازوؤں کے حلقوں میں لے کر اپنے سینے سے رکالیا۔ اس کا فرنے بھنجھلا کر تلوار پھینکری اور اس زور سے تاک کر ان کے سینے میں نیزہ مارا کہ اس کی اتنی ٹوٹ کر سینے ہی میں رہ گئی۔ حضرت مصعبؓ تیور اکر گئے لئے میکن اس سے پہلے کہ ان کی آنکھیں ہنسنے کے لئے ہند ہو چاہیں ان کی آنکھوں نے دیکھا کہ علم سرستکوں نہیں ہوا بلکہ خود انہی کے بھائی حضرت ایاذ الرؤوفؓ میں علیہ السلام نے اس کو سنبھال لیا۔ اس نظر سے نے ان کے پہرے پر ایک عجیب سکون تی گیفت پیدا کر دی اور اسلام کا یہ پتچار آنی ترش خاک پر دامی نند سو گیا۔

وستان یہاں ختم نہیں ہوتی، ابھی اس کا شاندار اختصار برآتی ہے۔ خدا کی طرف سے اس مرد خدا کو روز بخشن جو اجر عظیم ملئے والا ہے وہ تو ملے گا ہی لیکن رسول خدا کا انعام تو اسے نہیں اور اسی وقت ملے گا۔

ذر اکٹھر دجیا ہو! اپنے عزیز دوست کے لاشے کو اتنی جلد دفن نہ کر د، ابھی رسول خدا کو اپنے اس دریز نرمی سے چندا لو داگی ملکے کہنے باقی ہیں! یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت مصعبؓ حضورؐ سے ملے بغیر خصوت ہو جائیں۔

بام بغل کیہر ہونے کا موقعہ دیتا ہے۔

صرف ایک سال کے قبیل عرصہ میں مدینے کے تمام مقتند تسلیے مثلاً بیو ظفر، عبد الاشہل، اوس اور خڑج ایمان لے آئے اور اس طرح حضرت مصعبؓ کی جانشنازی کی عربیہ اس قابل ناک حضور ہاں تشریف لے جائیں اور اسے مدینۃ النبی میں اور دہی آپؑ کا مستقل ہیڈ کو اڑپڑا رہ دو سکے سال تہسرا کا برداعیان مدینۃ کی ایک جماعت مکہ جا رہی تھی تاکہ اہل مدینۃ کی طرف سے سر کا پر دو عالم کو بذینے میں مدعو کرے۔ اس پر عظمت جماعت میں مدینے کے تمام قبائل کا کم از کم ایک نمائندہ ضرور شاہ تختا تاک سروبر کائناتؓ کو یقین دلایا جائے کہ سارے کا سارا مدینہ دل و جہاں سے حضورؓ کی تشریف آوری کا خواہاں ہے۔ کیا یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ اس قافلے کی تیادت حضرت مصعبؓ کو رہئے ہے؟

مکہ سینچی ہی حضرت مصعبؓ کسی سے ملے بغیر سیدھے آستانہ نبوت پہنچی۔ خود مسیرت کے ملے جیلے جدیتاً نے ان کے دل کی عجیب کیفیت بنا دی تھی۔ آج سے صرف ایک سال قبیل رسولؐ نے ان کو ایک اہم ذمہ داری تفویض کی تھی۔ ان کا رواں رواؤ اپنے پرور و گار کاشکر گزار تھا کہ وہ اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآئی ہے اور حضورؓ کی گہر جوشی سے حضرت مصعبؓ کا خیر مقدم کیا۔ نہایت دلچسپی سے تمام واقعات سماعت فرمائے، ان کی محنت جانشنازی سے بہت محظوظ ہوئے اور ان کے کارناموں کو خوب خوب سراہا اور اللہ کی طرف سے اجڑیم کا وعدہ فرمایا اب میں اس مرد مجاہد کی زندگی کے آخری دور کی طرف آتا ہوں۔ آئیے ہم اس مبلغ اسلام کو میدان جنگ میں دیکھیں مورخ کا قلم شاہد ہے کہ حضرت مصعبؓ میدانِ نصاحت کی طرح عرصہ دغا میں بھی سر بلند رہے۔ غزوہ بد رکے موقعہ پر سوال پیدا ہوا کہ میدان کا رزار میں چھا بھریں کا سر سے بڑا عالم کس کے ہاتھ رہے؟ ہر چھا بھر کی تمنا عتمی کو علم برداری کی عزت اسی کو ملے یہی اس عظیم الشان منصب کے لئے

حسن حسین شش در فر کے تمام معمولات اور
زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق حدیث
سے منقول دعاؤں کا مشہور جمیع عربی میں اور قومیت پر زا
شاہ عبدالعزیز اور ان کی تعلیمات

خاندان ولی اللہی کے روشن چراغ علم و بنیہ کے امین
زید اتفاق کے پیغمبر حضرت شاہ عبدالعزیز کے لکھاں اور
او صفات پر ایک عمدہ کتاب۔ اس میں آپ کے بلینے
اور شادات اور علیات حجرا وغیرہ بغیر جمع کئے گئے ہیں۔ ۲/۵
مصنف: محمد حسین

اسلام اور دورِ حجدید کیا مذہب اسلام ترقی
میں رکا دوث ہے؟ کیا مغربی تحقیقات مستند و مکمل ہیں؟
کیا اس دور میں اسلامی تعلیمات کی ضرورت نہیں؟ یہ اور
اسی فہم کے دیکھاں ہم سوالات کا مشرح جواب، ساختہ ہی صحیح
سلف صالحین اور صوفیائے کرام کے کارناموں کو بھی بیان

کیا ہے۔ قیمت سند دور دی پیچا س پیسے ۲/۵۰

چند دن دیا غرہ میں مرتبہ: رسولنا عبدالعزیز عباس نہی
پیریں میں کیا دیکھا؟ وہاں کی معاشرت اور تہذیب و تدبیح کا
اصل رنگ دیکھنے کے لئے عمدہ کتاب قیمت ۷/۷
درست پیغمبر حضرت لوح علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام • حضرت یوسف علیہ السلام
• حضرت شعیب علیہ السلام • حضرت موسی علیہ السلام
• حضرت یونس علیہ السلام • حضرت سليمان علیہ السلام
• حضرت عيسیٰ علیہ السلام • حضرت حجرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قیمت جلد ۱ ہزار دی پیسے ۴/-

بدعت کیا ہے؟ نیا اضافہ شدہ عدید ایڈیشن
بدعت و معصیت کے رد میں
ایک عظیم کتاب۔ قیمت جلد ۱ ہزار دی پیسے

مکتبہ تحریتی دیوبند (یونی)

روانی کے خاتے پر آپ حضرت مصعبؑ کی لاش کے
قریب آئے اور یہ آیت کی پڑاوت فرمائی: وَمَنِ الْمُهَمَّنِينَ يَوْمَ الْحِجَّةِ
صَدَقَ قَوْمًا عَاهَدُوا هُنَّا عَلَيْهِمْ دِرْبُنَى مِنْ كُلِّ إِلَيْهِ هُنَّا
اپنے خدا سے جو عہد کیا تھا اس کو سجا کر دکھایا، پھر لاش سے
محاطب ہو کر فرمایا "میں نے تم کو مکے میں دکھایا تھا لیکن
تمہلکے حسیا حسین و جبل و خوش بو شاک کوئی نہ دکھایا
آج تھیں اس حال میں دیکھ رہا ہوں گہ تمہارے باں اٹھے
ہوئے ہیں اور حسیم پر ایک چادر ہے" پھر زیرا قابض نو شنبہ
پڑھلائی بھیجے میں ارشاد فرمایا "بیشک اللہ کا رسول گھاہی
دیتا ہے کہ تم قیامت کے دن یا رنگو خداوندی میں بے
اعزاز کے ساتھ حاضر کے جاؤ گے! اے!"

مکتناقابل رشک تھا وہ مومن جسکے ایمان پر امداد
کے رسولؐ نے اس طرح گواہی پیش کی اور اتنے بڑے
انعام کی بشارت دی ہو۔

فضائل صحابہ اور اہل سنتؓ نقیۃ وحدت

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے افاضات عالیہ، بیش بہامطاب
اور علوم و فنون کا گنجینہ، نفیس تکنی، عالمی مصنایں
قیمت چھ روپے ۱/-

تاریخ فقہ "علامہ شیخ محمد حسنی کی قیمتی کتاب
خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارک سے لیکر
آج تک کے تمام ادوار کی نقہ اسلامی کا تحققناہ جائزہ
یا گیا ہے۔ اور چاروں اکٹھ اور ان کے شاگردوں کے
حوال و کوائف اور علمی کارناموں کی تذکرہ سپر فلم کیا گیا ہے
قیمت جلد ۱ ہزار دی پیسے ۹/-

آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام ریڈیو گاؤں
اسپیکر، سینما، انچکش کا طریقہ علاج اور اسی طرح ہنی
نئی چیزیں ہمارے موبوڑہ تدبیح میں ظہور پزیر ہو گئی ہیں ان
کے شرعی احکام۔ قیمت سو اس دی پیسے ۲/۲۵

اصح السیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر
بیشتر کتاب میں بھکھی گئی ہیں مختصر بھی
اوپر ایک کتاب اپنا جواب نہیں رکھتی۔ شفقت زبان میں مولانا
دان پوری کی کتاب متوسط ضمایم کی کتب سیرت میں مولانا
پیرا یہ، اعلیٰ الحقیق، تأخذ کے جو اے اور مختلف قیوں افاقت
در دیات میں مختار موازنہ اور تقید، عموم و خواص دلوں
کے لئے یہ کتاب ہبہیت مفید اور معلومات کشیرہ
کا خستہ نہ ہے۔ قیمت جلد ۱۵/-

لیسم صدیقی کی تصانیف

۱۲/-	محسن الشانیت
۳/-	پار و در اور ایمان دنیا چیز عکام
-۱۳۵/-	بیہہ زندگی، اسلامی نقطہ نگاہ سے
-۱۳۶/-	تعیر سیرت کے لوازم
-۱۳۰/-	اپنی اصلاح آپ
-۱۳۲/-	حق و باطل
-۱۳۰/-	اسلامی نظام ہی کیوں؟

مصر عرب اور اسرائیل پر چند اہم کتابیں

۱/۱۵	عرب اور اسرائیل
-۱۶۵/-	فرزندان توحید تختہ دار پرہیز کی شملکش
-۱۵۰/-	مصر میں اسلام اور اشتراکیت کی شملکش
-۱۳۰/-	نصر و میں دیکھ در دن اک تاریخ
۱/-	اسلام اور یہودیت
۱/-	اسرائیل اور اس کا فتنہ
-۱۵۰/-	عرب قوم پرستی خطناک کیوں؟
-۱۶۵/-	شرقت اوسط کا المیہ

انتساب صحابہ ستہ حدیث کی چھ صحیح ترمذ میں میں اپنے
تجزی، نسانی، این یا جہہ کی مفید ترین حدیثوں کا قبول
و معروف انتساب۔ قیمت ۵/-

لطائف علمیہ فقیر حضرت علامہ این الجوزیؒ کی
عجیب کتاب "کتاب الاذکیار" کا اور و ترجیہ سات سو لیے
لطائف و مخصوص حین میں ذہانت، ذکاوت، حاضر جوابی
مختہ سنجی، طنز و مزاح اور صنعتِ لفظی کے زنگارنگ جلوے
ملئے ہیں۔ قیمت پانچ روپے ۵/-

قاولہ سخت حال از:- اسعد گیلانی
انظر شانی کی ہواتازہ ایڈیشن
جب جماعت اسلامی کے ارکین ہیلوں میں بھروسے کئے
اس وقت کی فکر ایکرناہی تھے اور دلادیز اندازیں قیمت ۶/-
مولانا مودودی سے ملے شاخصیت ان کے
علم و فضل ان کی دعوت، ان کے مشن، ان کی پوری زندگی کے
احوال و کوائف پر اسعد گیلانی کی ایک سیوط کتاب، دنیا
بھر کے علاوہ اہل فکر اور ارباب قلم کی آرام قیمت ۶/-

الزیارات کا جائزہ این الزیارات کا منصفناہ
اجائزہ۔ جو جماعت اسلامی
اور مولانا مودودی پر کفر کے فتووں اور بھی کتابوں اور
اشتہاروں کی شکل میں لگائے جاتے رہے ہیں
قیمت ۲/۵۔

خریبتہ الاسرار پیماری، مقدمہ، یہ روزگاری
ھر یوچینگڑی، پریشانیاں
حداثات وغیرہ میں کام دینے والے نایاب خاندانی
عملیات و تعویذات کا انمول ذخیرہ۔ آزمائے ہوئے
روحانی شیخ، زود اثر نقش۔ کار آمد زا پچے۔ ہر
خاص و عام اس قیمتی کتاب سے فائدہ اٹھاسکتا ہے، دنیپریے

مولانا مودودی کی مجلس

ج - کوئی نہیں بتائے اور بچپن فرشتوں سے پوچھا کہ "اگرم پسکے ہو تو ان جیزوں کے نام بتاؤ۔" اگر امتحان ہی مقصود تھا تو دونوں کو کیوں نہ بتالا یا کیا۔

ج - اس امتحان سے مقصود یہ تھا کہ فرشتوں پر اس حقیقت کو واضح کرو یا جانے کہ جس مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے خلافت ارضی کرنے منتخب کیا ہے وہ واقعی خلافت کی اہل ہے۔ اسی عرض سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو ضروری علم عطا کر دیا۔ اس آزمائش کا مقصد ہرگز یہ ویکھنا تھیں تھا کہ حضرت آدمؑ اور فرشتوں میں سے کون خلافت کا زیادہ سُحق ہے تاکہ اسے خلافت سوچی جائے۔ فرشتوں کو تو خلافت کی استعداد بخشی ہی نہیں گئی۔

اعتدال کی راہ

س - آپ کے قول کے مطابق اسلام اعدال کی تعلیم دیتا ہے ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ رہیں سارا امالِ لٹایا جائے

مہر اور زیورات

س - چوزیورات صورت کی شادی کے وقت دیے جاتے ہیں کیا وہ مہر کے بجائے ہو سکتے ہیں، یعنی کیا زیورات کو مہر میں دیا جا سکتا ہے یا مہر کی رقم اس کے علاوہ ہوگی۔

ج - اگر شوہن تکاح کے وقت اس بات کی وضاحت کر دے کہ میں یہ زیورات یا ان کا کچھ حصہ مہر میں دے رہا ہوں اور یہوی اسے قبول کر لے تو یہ صورت جائز ہے ورنہ وہ زیور مہر کے بجائے نہیں کیجھ جائیں کے اگر زیورات کو مہر میں دینا پڑے سے برادری کی معروضہ رسم علی آرہی ہے تو اس صورت میں بھی ہر لداہ جائیداد

خلافت ارضی کا مستحق

س - کلام پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو تمام اشیا کے نام بتالا دیے لیکن فرشتوں

اُرت اور کے باداً پوداً سے قتل کرنے کی اجازت اس لئے
نہ دی کہ اگر اسے قتل کر دیا جاتا تو اس سے اسلام کی
شہرت کو نقصان پہنچتا لوگ یہ سمجھتے کہ حمد اپنے علیحدوں
کو قتل کرنے لگا کچھ نہیں۔ اس سے مسلمانوں کی بوا
اکٹھ جاتی اور دشمن اپنے حق (اسلام) اور مسلمانوں کے حق
غاظ پر ویکنڈہ کر کے اس واقعہ سے ناجائز فائدہ
انٹھانے کی کوشش کرتے۔ اسی اندر یہی کی بنا پر جب
حضرت عالیٰ شریف صدیقؑ پر واقعہ اُنک کے سلسلے میں
تہذیب کرنے کے لئے تیار ہے۔ دوسری طرف اہل ایمان
میں اینی کو اس گروہ کا سرخز ہونے کے باوجود سزادی نے
سے استراحت کیا۔ اصول شرعاً یہ ہے کہ الگ سی حرم
کی سزادی نہیں اس سے عظیم ترقیت برپا ہونے کا
اندیشہ ہو تو سر اتفاقہ کی حالت ہی وجد ہے کہ میراں
جنگ کے قریب کے علاقہ میں شرعاً نئے حکم دیا ہے
کچور کے ہاتھ میں کام لے چاہیں۔ اس نے کہ ایسے
موقع پر یہ عین جمکن ہے کہ حرم اشتعال میں آکر
دشمنوں سے میں جائے اور مسلمانوں کے راستا نکل
پہنچا کر عظیم فتنہ کا یاعوث ہیں یہاں تے۔ یہ حکمت دین
کا اتفاق افتادا ہے۔

صدقہ کا اصل مقصود حملے الٰی سے

س۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ گھوڑے پر خرچ کرنا صدقہ
ہے۔ آج کے درمیں گھوڑے تو تقریباً نیا بہا ہیں
آجھکل تو سائیکل، اسکو ٹرمو ٹول کاریں میں تو کیا
انھیں خرچ کرنا صدقہ ہے۔

رج۔ صدقہ صرف گھوڑے پر ہی خصوصیں بلکہ جو چیز بھی
چیز یہ صادقہ کے ساتھ راہِ خدا میں خوب کی جائے
اور جس چیز کے بھی فرماں گردی کرنے میں بال صرف کھیا جائے
وہ صدقہ ہی ہوگا۔ ملا لحاظ اس کے کہ وہ سائیکل
ہے یا اسکو ٹریا ٹوٹ کاریا کوئی بھی دوسرے اسلام۔ اصل
مقصود رضائے الٰی ہونا چاہیے۔

اور یہی بھوکے بیٹھے رہیں تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے
اس واقعہ کی توجیہ کیا ہے کہ انھوں نے اپنا سارا مال اللہ
کی راہ میں رسول اللہؐ کی خدمت میں پیش کر دیا ہے
ج۔ یہ صحیح ہے کہ اسلام اعتدال کی تعلیم دیتا ہے لیکن آپ
دیکھئے کہ جس موقع پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنا
سارا مال لاکر رسول اللہؐ کی خدمت میں پیش کر دیا ہے
اسلام کے لئے لکھنے عظیم خطرہ کا وقت تھا۔ ایک طرف
قیصر روم اپنی بے پناہ فوجی قوت کے ساتھ دارالاسلام
پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہے۔ دوسری طرف اہل ایمان
کی طرف صرف تیس ہزار فوج فرما ہے جو ملکی ہے جو ہر
طرح غیر مسلح اور شدید مالی مشکلات سے دوچار ہے اُن
حالات میں تبی اکرمؐ کی طرف سے اپسیں کمی جاتی ہے
کہ جو جتنا مال راہِ خدا میں دے سکتا ہے لے آئے ایسے
نازک موقع پر اگر مسلمان سر و حرکت کی بازی نہ لگادیتے
اور تن من و میں لکا کر دشمن کا مقابلہ نہ کیا جاتا تو اس
بات کا شدید خطرہ بتا کر اسلام کو ہمیشہ کے لئے ختم
کر دیا جاتا۔ حضرت صدیقؓ اکابر نے اس موقع پر جو طریق
اختیار کیا وہ اسی جذبہ کے تحت کیا کہ الگ خدا نے اس
اسلام ہمیں مرٹ جاتے تو مال سب بیکار ہے۔ انھوں نے
دیقیقت اسلام کی دی ہوئی اعتدال کی تعلیم ہمایا پر
عمل کیا۔ موقع دھل کے لحاظ سے نیکیوں کے درمیان
تو ازن قائم کرنا ہی تو اعتدال کی راہ ہے۔

قتل مرتد کا مسئلہ

س۔ آپ کے ارشاد کے مطابق عبد اللہ بن ابی نے
پدر کی قسم کے ارتاد کا ارتکاب کیا۔ اسی وجہ سے
حضرت علیؓ نے اس کے قتل کی اجازت رسول اللہؐ^{صلی اللہ علیہ وسلم}
سے مانگی اور حضورؐ نے انھیں ایسا کر نے سے روک دیا
اس کا مطلب یہ ہے کہ مرتد کی سزا ہر حال میں قتل ہی
نہیں ہے۔ وضاحت فریلیست۔

رج۔ رسول اللہؐ نے حضرت عمرؓ کو عبد اللہ بن ابی کے

مرتبہ:- ۳-۵

مولانا مودودی کا آپر لشیں

لندن سے آئیوالے ایک ہمدرد جماعت سانانذ الرحمن سے انٹرویو

کا ایک وفد مولانا کی خدمت میں حاضر تھا اور سوڈان کی داخلی سیاست پر گفتگو ہورہی تھی۔ مولانا بھی ان سے وہاں کے حالات دریافت کر رہے تھے اور تحریک اسلامی کو موثر بنانے کے بارے میں مشوروں سے نوازتے تھے مجلس میں پاکستانی وغیر پاکستانی مسلمانوں کی ایک گثیر تعداد اشتریک تھی۔ پروفیسر خوشیدا صاحب جفیں پر کے اسلامک مشن کی سالانہ کافرنیشن میں مشرکت کرنی تھی۔ بعض ناگزیر وجوہ کی بناء پر آج ہی تشریف لائے تھے اور شریک مجلس تھے۔ اُردو طائفہ سبک کے ڈاکٹر اعجاز حسن قریشی موجود تھے۔ مولانا کی خدمت میں آئیوالوں کا سلسہ چونکہ بدستور جاری تھا اور جگہ تختہ تھی اس نے رانا صاحب، پروفیسر خوشیدا صاحب اور ڈاکٹر اعجاز حسن قریشی نے آئے والوں کے لئے جگہ خالی کر دی اور اُنھوںکے باہر آگئے۔

ہستیر کو مولانا محترم نے لندن کلینک میں داخل ہیا۔ اس دن پھر آپ کا مکمل طبی معائنہ کیا گیا۔ گزرے شبانے اور دوسرا منٹا شرہ اعضا کے بہت سے ایکرے لئے گئے۔ ڈاکٹر میڈنک اس دن بہت زیادہ مصروف رہے۔ مولانا کو کلینک کے کمرہ نمبر ۳۴ میں بھی رایا گیا تھا۔

لاہور کے جانے پہچانے ساسی و سماجی کارکن اور ممتاز برسنی میں جناب رانا نذر الرحمن صاحب لاہور سے اپنے غیر ملکی دورے پر ۲۰ رائکسٹ کو چلتے تھے۔ آنھدش دن مشرقی یورپ کی سیر کرتے رہے مشرقی یورپ ان دونوں جمیں معاشری و سیاسی بحران سے لگزدرا ہے وہ سیاست و معاشریات کے ہر طالب علم کیلئے قابل توجہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہی بحران آدھی دنبا یور حکومت کرنے والے ایک نظریاتی فلسفے کی تاریخ فربینے والا ہے۔ رانا صاحب نے مشرقی یورپ کی سیر کے ساتھ ساتھ یہ سب چھوپنی آنکھوں سے دیکھا ہے لیکن اس کا نہ کہہ ہم کسی اور صحبت پر اٹھاتے ہیں۔ بہر کیف وہ ہستیر کو فرنسی فرٹ سے لندن کے لئے روانہ ہوئے اور اسی روز شام کو مولانا مودودی کی خدمت میں بھی جا پہنچے۔

مولانا محترم رائشیدا صاحب یقی صاحب کے مکان پر قیام پذیر تھے اور ہر طرح لاہور میں عصر سے مغرب تک مولانا کے ساتھ ایک عام ملاقات کا سلسہ جاری رہتا ہے اسی طرح لندن میں بھی یہ معمول قائم تھا۔ رانا صاحب کی موجودگی میں سوڈانی نوجوانوں

نکال دیا ہے۔ مولانا کا ایک گروہ داخلب ہائیں
جہاں بڑ کا پتھری کے سبب ناکارہ ہو گیا ہے اسے
بھی انکا اندازہ کا لیکن وہ یہ ہمیں کہہ سکتے کہ دوسرا
آپر شین کے لئے کتنا وقت درکار ہو گا۔
ڈاکٹر حما شہب، اس لفتکو کے بعد جلدی کہا ہے:

مولانا کے صاحبزادے ڈاکٹر احمد فاروق اکمل
کے باہر ایک کرسی پر بٹھا دیا۔ دوسرا صاحب
کمرہ استقبالیہ میں واپس آئتے۔ پھر شام کے وقت
VISITING HOURS میں چند زمہری صاحب
باری باری مولانا کو ایک نظر دیکھتے کے لئے کہے میں
نکھنے۔ اس وقت مولانا پر غزدگی طاری ہی۔ بھی انھیں
کھو لئے تھے کبھی بن کر لئے تھے۔ ڈاکٹر کی ہدایت ہی
کہ مولانا کے آرام میں کسی قسم کا خلیل نہ پیدا کیا جائے۔
اس لئے احباب بے آوانچلتے ہوتے باہر نکل جاتے
تھے۔ بچکر مرہ استقبالیہ میں یوں کے اسلامک مشن کے
رفقا رخا صلنہ اور ذور و نزدیک سے آئے والوں کو
مولانا کی تحریر بتا رہے تھے۔ جو شخص بھی مرہ استقبالیہ
میں قدم رکھتا اس کا پہلا سوال یہ ہوتا ہے:-
”اب مولانا کا کیا عامل ہے؟“

جب اسے بتایا جاتا ہے احمد فاروق مولانا تحریر سے
ہیں تو اس کے چھے پر اطمینان کی لہر دوڑ جاتی اور
غمباں سے کلامات شکریہ ادا ہونے لگتے۔
۱۔ استمبر کی شاہ کو لا بیجے ڈاکٹر نے چند احباب
کو مولانا سے ملاقات کی اجازت دی۔ ان ملاقات
کرنے والوں میں راناندر الرحمن بھی شامل تھے۔ مولانا اس
وقت ایک کرسی پر تشریف فراہم کرے اور ہماسانی
لفتکو کر رہے تھے۔ تاہم ڈاکٹر کی ہدایت یہی تھی کہ مولانا
کو زیادہ دیر تک لفتکو میں صروف نہ رکھا جائے۔
راناصاحب مولانا کی تحریر دریافت کر کے واپس
آگئے۔

۲۔ استمبر کو ملاقات کے وقت میں راناصاحب

اس کا روزانہ خرچ ۱۴ روپیہ ہے۔ لندن کلینیک انگلستان کا
ایک بہت بڑا میشل ادارہ ہے جس کی آمدی منصوبوں کی
بہبود اور طبی تحقیق کے کاموں میں خرچ کی جاتی ہے مولانا
کلینیک میں داخل ہوئے تو یہاں بھی خبریت دریافت
کرنے والوں کا ایک تانتہندھ گیا۔

دوسرے دن یعنی ۹ ستمبر کو دوپہر کے ۲ ۰۰ بجے
آپر شین کا وقت مقرر کیا گیا تھا۔ کلینیک کے کمرہ استقبالیہ
میں چودھری غلام حمزة پروفیسر خورشید احمد راناندر الرحمن
مولانا کے صاحبزادے ڈاکٹر احمد فاروق، ڈاکٹر
(عجائز حسن قشیری)، مولانا کے میربان رسید احمد صدقی،
سلیم صدیقی اور دوسرا کمی احباب موجود تھے۔
ٹھیک ۲ ۰۰ بجے مولانا کے کلینیک کے تھرڈ فلور پر آپر شین
تھیٹر میں گے جائیگیا اور ایک ہنڈنٹ چالیس منٹ تک
آپر شین ہوتا رہا۔ اس دوران میں سب لوگ کمرہ
استقبالیہ میں ٹھکے ہوئے دست بدعا تھے۔ حسین کاروان
روال ائمدادی بارگاہ سے خیر و حافظت طلب کر رہا تھا۔
چار بچکر دس منٹ پر آپر شین تھیٹر سے آئیوای ایک
نر سے جب ان لوگوں نے معلومات طلب کیں تو اس
نے انگریزی میں کہا:-

”ڈاکٹر نے ابھی ابھی آپر شین مکمل کیا ہے؟“

ٹھوڑی دیر بعد ملا و آیا کہ ڈاکٹر صاحب ان دوستوں
کو طلب کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر احمد فاروق، پروفیسر خورشید
احمد، راناندر الرحمن اور سلیم صدیقی تھرڈ فلور پر گئے۔
اس وقت مولانا کو اس طبقہ پر ڈال کر آپر شین تھیٹر سے باہر
ان کے کمرے میں پہنچا یا جا رہا تھا اور مولانا نیم بے ہوشی
کے عالم میں سر کو ٹپا رہے تھے۔ پھر ڈاکٹر بیٹا ناک وہ
پتھرے کر برآمد ہوتے چو مولانا کے مشانے سے نکالا گیا
تھا، یہ قطیں بھی ایک ایک ایک ایک ایک ایک ایک
اویج تھا۔ اس کے اندر چھوٹی چھوٹی چھریاں بنی ہوئی
تھیں۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ انھیں PROSTATE GLANDS

PROSTATE GLANDS

کیا ہے جہاں تک دوسرے آپریشن کا تعین ہے میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکت اک تنازع صورت گئی۔ عکس ہے اس کے لئے ڈھانی تین ماہ لگ جائیں کیونکہ میں خود رجہ نقاہت کو حسوس کر رہا ہوں اور دوسرے آپریشن کے لئے اپنے آپ کو بہت جلد تیار نہیں رہتا۔ رانا صاحب اس گفتگو کے بعد مولانا سے صفحہ کھرتے ہوئے رخصت ہو گئے۔ دوسرے دن پاکستان آفیس سے پہلے انھوں نے چھر کلنک کے مکہ استقبالیہ سے مولانا کی خیریت دریافت کی۔ اس کمرے میں یوں اسلامک مشن کے یادخ سے دس کارکن تک ہر وقت مولانا نے دوسرے آپریشن کے بارے میں لفظت سے خود رہتے ہیں اور آنے والوں کو مولانا کی خبری سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ تحریک اسلامی سے ہمدردی رہتے دلے اور مولانا کے شدائی بیان کچھ ڈاکٹر مولانا کی خبرگیری کر رہے ہیں۔ مولانا کے صاحبزادے ڈاکٹر احمد فاروق صاحب ہر وقت مولانا کے کمرے کے باہر موجود رہتے ہیں۔

پھر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے ہے مولانا اسی وقت بستر پر لیٹے چھوٹا رام تھے۔ رانا صاحب نے مولانا حضرت میں عرض کیا کہ وہ کل پاکستان والیس جا رہے ہیں۔ پاکستان کے حوزہ حصہ صہا جماعت کے رفتار آپ کی صحبت کے بارے میں بہت تکریم ہیں۔ اگر آپ کوئی پیغام دینا چاہیں تو ارشاد فرمادیں۔

مولانا نے آمسکی سے فرمایا:-

”سب یوں تک بہرا سلام ہیچاڑی کیجئے اور کہا جیکے میں خیریت سے ہوں۔ بس میرے لئے دعا رہتے رہیں۔“

مولانا نے دوسرے آپریشن کے بارے میں لفظت کھرتے ہوئے بتایا ”ڈاکٹر نے بھروسے متاثر گئے کے بارے میں پہلے ذیلی خیال ظاہر کیا تھا کہ اسے نہ نکالا جائے، ایکن میں اس کا بوجھ زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتا اس لئے میری رائے یہی ہے کہ اسے نکال دیا جائے۔ ڈاکٹر نے بھی میری اس رائے سے اتفاق

مولانا مودودی کے آپریشن کا تقریباً آٹھائی لمباز خم اللہ کے فضل کرم سے بسرعت انداز پذیر ہے۔ آپ کی عام صحبت تیزی سے بحال ہو رہی ہے ان کے انگلستانی معراج کا کہنا ہے:-

”مولانا اس کی زندگی کے واحد مرض ہیں جس کی صحبت اتنے طویلے اور خطرناک آپریشن کے بعد اس عمرگی کے ساتھ بحال ہو رہی ہے۔ اگر میں ان کے اس آپریشن کو اپنی زندگی کا لیک محسنہ ہوں تو بجا ہو گا۔“

(آئین - لاہور)

اصول فقہ اسلام

مصنفہ: سر عبد الرحمن
ترجمہ: مولوی مسعود علی۔
اصول فقہ ایک مکمل اور مستند کتاب جو فقہ کے جملہ عنوانات پر بے نظریہ تشریع پیش کرتی ہے جس میں کم تریش مترکتا ہوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ قیمت اعلیٰ ایڈیشن پہنچ رڑھائیں
ست ایڈیشن فروپے

امکن جزئی عہد میں ہندستان کے تاریخ

مصنفہ: علامہ عبداللہ یوسف علی دیم، این، ایل، دیم
عدالتیں کا آغاز اتوانیں کا اجرا، ایمجنوں کا تیام، انجارات کی آزادی، سیاسی اور سماجی تحریکیں اور اس دور کی تامور شخصیتوں کا ذکر اور بدلتے ہوئے اقدار کی کمل عکاسی اپنے موضوع پر ہتھیں کتائیں۔ اعلیٰ ایڈیشن بارہ روپے۔
ست ایڈیشن سارے سات روپے

روح کلام غالی

مصنفہ: مرا عزیز بیگ ہرزا
روح کلام غالی

مصنفہ: علامہ حرجی زیدان
تاریخ تہذیب اسلام

ترجمہ: مولوی خدیم الصاری
کم سے کم الفاظ میں اسلام کے تہذیب کی ایک ایسی مکمل و مستند تاریخ جس سے بہتر آج تک کسی نہ ہبھی لکھی۔ قیمت مکمل ہر دو حصہ پیسی ۲۵ روپے
محمد بن عثمان اور ان کے علی کارزار

المہاراچہ ارباب صالح ست امام طحا دادی کا تحقیقی تذکرہ، تاریخ و تدوین حدیث اور جمع حدیث کیلئے ان کو شکشوں کا ذکر اٹھی تھا بیرونی میں پختہ میں درج کیا گئی قیمت ۳۵ روپے

سفر مصر و حجاز

امیر تیجہ: مولانا محمد الشرح منی
وہاں جو کچھ دیکھا پوری تفصیل سے اسے جمع کر دیا۔ دیوبون
تصاویر سے مزین یہ سفر نامہ کے کام کی جیزیز ہے۔ تیرت ۵/۷/۲

مقام صحابہ

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی متحف تحریر دوں کا جموعہ۔ اس مجموعہ پر دیگر دوں کا فرع فتح

کہ مولانا مودودی صحابہ کا احترام خریز کرتے تھے پسیے

مجموعہ سیرت رسول

سلیس اور سارہ کہ معنوی طریقے
لکھنے بھی اس سے پوری طرح فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور امہانیے

ہیں۔ بچیاں اور بچے تک اس کتاب کے ذریعہ وہ ایمان فرمادے
معلومات حاصل کر لیتے ہیں جن کا حاصل کرنا تاریخی طریقہ کیا تو
پر موقوف ہے۔ اسی لئے اس کے ۲۵ حصے کر دیے گئے ہیں

ہر حصہ پالیس پیسے کا۔ آپ چاہیں تو اس کی افادیت کا
اندازہ کرنے کیلئے پہلے ایک دو حصہ بھی ملکا سکتے ہیں۔

کامل سیرت دو جلدیں میں دو روپے کا ہے

مکتوبات حضرت علی

اس کتاب میں تصریح یہ کہ
حضرت علیؑ کے مخصوص و بلطف خاطر
طریقہ تحقیق سے جمع کئے گئے ہیں بلکہ ان کی تشریع و توضیح کا حق
بھی کمال درجے میں ادا کیا گیا ہے۔ نیزان خطوط میں جن
اشخاص اور قبائل اور مقامات کا ذکر آیا ہے ان کا بھی
تعارف تکمیل ہے۔ ایک صفحہ پر اصل عربی خطوط
دوسرے صفحے پر ان کا تفصیل اردو ترجمہ لکھائی چھیانی معیاری
قیمت

تبین روپے پچتاری سے

مجلہ الاحکام

قالوں ذخیرہ جو خلافت اسلامیہ
میں ۱۹۱۸ء تک عدالتیں کا دستور العمل رہا اس سے طالع
سے فارسی کو اندازہ ہو گا کہ اسلامی قالوں اپنی دعوت
جامعیت اور حرزی میں کسی بھی ترقی یا نقصہ قالوں سے کم ہے۔ بیلکہ بالات
ہی ہے۔ اردو ترجمہ عبدالقدوس باشی قیمت مجلد دیس روپے

مسحہ سریانی کی

شُبند مرزا

(۲)

”وہ مسکرا کر کہتے۔“ تم اب بھی میرے لئے بچے ہی ہو۔ چلو جلدی کھانا لاؤ۔“
قویے تھے میرا شفاق۔ میں نے اس وقت ان کے پھرے پر تشویش کے آثار دیکھے۔
”خیر تو ہے چوچا جان۔ آئینے سامنے ہٹول میں بیٹھیں گے۔“
”خیریت کہاں عزیزم۔ عجیب چکر میں ہوں۔ ادھر مگر تم کہاں کیسے۔“
”فسدت کے دھکے۔ اب آپ سے کیا تباوں کی فسم کی الجھنوں میں گرفتار ہوں۔“
”بس رہنے دو۔ مکھیں الجھنوں سے کیا واسطہ۔“
”میرا ذاتی معاملہ نہیں ہے۔ دراصل۔“
”ہاں۔ دراصل کیا۔“
”آپ کیا پتیں گے۔ چاتے یا لھنڈا؟“
”چاشے ٹھیک رہے گی۔ ہاں تو کیا کہہ ہے تھے؟“
”پہلے آپ بتائیے۔ ادھر آپ کی تشریف آوری فالباداً ذاتی وجہ سے تو نہ ہو گی۔“
”میاں استغفار اللہ۔ یہاں تو بیوی کو بھی مرے پندرہ

اگلے دن میں ضلعی نیمی پلانگ سینٹر ہنچا تھا۔ مکن ہے درما صاحب دورے سے لوٹ ہی آئے ہوں۔ لیکن تو قبیرہ آئی اور پھر میں منحدر لٹکاتے زیسوں سے اُتر ہی رہا تھا کہ میرا شفاق سے ملاقات ہو گئی۔
میرا شفاق ایک ریٹائرڈ اور سیرہ میں۔ بڑے شفیق اور نیک دل۔ عمرست کے قریب ہو گی۔ زمانہ طازہ تر میں والد مر جوم کے پاس بہت آئے جاتے تھے۔ چھینچن ہو گئی تو اپنے گاؤں جا سے جہاں ان کی تھیوڑی بھی باری تھی۔ میں انھیں بھول کیسے جاتا جب کہ والد مر جوم کے زمانے میں ان کا معمول ہیشہ یہ رہا تھا کہ جب بھی تشریف لاتے بمحکمہ میں سے بلواتے اور الاتے جا کر بھی دو سمجھی پانچ روپے نذر کر کے کہتے کہ لو بیٹھ مٹھائی کھالینا۔ پھر والد مر جوم کے بعد ان کی آمد و رفت اگرچہ کم ہو گئی مگر جب بھی شہر آتے غریب خانے پر ضرور تشریف لاتے۔ کسی موسمی بھل کا تقبیلا بھی ضرور ان کے ہاتھ میں ہوتا اور اس کے ساتھ کچھ نقد دینے کی وجہ بھی ترک نہیں کی تھی۔ میں ایسے موقع پر عرض کیا کرتا۔
”چوچا جان۔ بھلا اس کی کیا ضرورت ہے۔“

پھنسن پر اغصہ وار اور بد مزاج آدمی ہے۔ دھول دھپڑہ تو ایک طرف وہ توکل گنڈا سہ اٹھا کر پڑھ دو راتھا۔ طنہ طرے ہی کر دوں گا بذات کے۔ میں نے بخشش اسے ٹھنڈا کیا۔

”کیا کہہ کر ٹھنڈا کیا۔؟“

”بس یہی کرن سبندی میں ضرور کوئی نقص ہے۔ شاستی جیسی شریف اور سالخواہ گھرستن کے جلوں پر نے کاموالہ ہی کیا پیدا ہوتا ہے۔“

”اوہ۔ اس پہلو سے میں نے اب تک غور ہی نہیں کیا۔“

”کیا مطلب؟“ رہ چاۓ کا گھونٹ بھرتے بھرتے رک گئے۔

”میں بھی ایسے ہی ایک چکر میں پھنسا ہوں۔ اونچا گھر انا ہے۔ نوبت طلاق تک تباہ سکتی ہے۔“

”واتھی؟۔“ اس سے تو اور بھی سسلم ہو گیا کھرابی پکھن سبندی ہی میں رہ جاتی ہے ورنہ۔“

”جی ہاں۔۔۔ کئی کئی بچوں کی مائیں بکھلا ولاتی کہدا تا۔۔۔ امریے توہہ۔۔۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“

”مگر تم ہاں کیوں آئے تھے؟“

”ہاں کے ورثا صاحب میرے شناسا ہیں۔ ان سے تحقیق کرنا چاہتا تھا کہ سبندی کے سلسے میں پروپیگنڈے کی سلطے سے ہٹ کر علمی حقائق کیا ہیں۔“

”مساں وہ تو ہم تحقیق کر لے کے۔۔۔“ اکٹھا اور سے ابھی دو گھنٹے ہوتے تفصیلی تفتکو نہیں۔۔۔ وہ کہہ رہے تھے کہ سبندی اپنے مقصد میں ساٹھ استر فیصلہ ی سے زیادہ کامیاب نہیں ہے۔۔۔ ہر دس کیسوں میں دو تین کیس ضرور ناکام ہوتے ہیں۔۔۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ابھی تک کوئی بھی دروازی اپنے ایسا دریافت نہیں ہو سکا ہے جو ضبط تولید کے سلسے میں صد فیصد کامیابی کی ضمانت دے سکے۔۔۔ یورپ اور امریکہ وغیرہ میں اس پر ٹبری شدرومد سے رسماں تھوڑی ہی ہے۔۔۔“

”برس ہیو گھنے۔“

”پھر تو کسی عزیز قریب کا معاملہ ہو گا۔“

”ہیں میاں عزیز قریب بھی نہیں۔۔۔ سب ایک پڑوسی کا معاملہ ہے۔ جان جان کی بامی لگ رہی ہے۔۔۔“ ٹھنڈا کیا گے سبھی آپ کو اس سلسلے میں ”خدا خیر کرے۔۔۔ میں بھی آپ سنائیے۔“

”میاں سنائیں کیا۔۔۔ اس سبندی کی وباۓ

”ت عجیب عجیب سائل ھر قرے کر دیئے ہیں۔۔۔ وہ ہنسنے پوئے ہمارے پر ابرو اسے گاؤں میں ایک پانچ بچوں کی ماں کو طلاق ہو گئی۔ اس کے شوہر نے سبندی کر ائی تھی۔۔۔“

”مگر ڈیڑھ سال بعد بھی بھی اس کے ہباں بچہ ہو گیا۔۔۔“

”مسجد کے مولوی صاحب سے مسئلہ پر حاصل کیا تو انہوں نے کہا یا کہچے علاں نہیں آنا جائے گا۔۔۔“ شوہر نے بھوی

”کو ماڑا بھی اور طلاق بھی دیا۔۔۔“ کچھ لوگ مجھے گھسیدیں کہ

”جتنے تھے کسی طرح صلح صفائح کر اؤں مگر وہاں تو تین طلاق تھیں ہو گئی تھیں۔۔۔ عورت بڑی طرح رور ہی تھی۔۔۔“ ہمیں ترس بھی آیا مگر نیا کرتے۔۔۔ دو چار لفظ اس کے حق میں کہے تو شوہر صاحب اڑینے مرتنے پر آمادہ ہو گئے۔۔۔“

”آپ کا کیا خیال ہے۔۔۔ یہ سبندی کے بعد جیسے

کیا آسمان سے نازل ہوتے ہیں۔۔۔“

”ہم اس وقت تو یہی خیال تھا کہ مطلقاً عورت پاکدار ہو گی۔۔۔“

”کوئی خاص دلیل؟۔۔۔“ میں نے ہمیاں نیز پر طیک کے ان کی آنکھوں میں جھانکا۔۔۔“

”نیا واقعہ ہمارے ہی گاؤں میں ہوا ہے۔۔۔“

ہمارا ٹبری سی سے ٹھمن۔۔۔ اسے بھی فیصلہ پلانگ والوں نے

جانے کیسے ھیرھار کر سبندی کر دی تھی۔۔۔ اب اسلکی بھوی

شاستی پھر دوسرے حال سے ہو گئی ہے۔۔۔ شاستی بڑی

شروع ہوتا ہے۔۔۔ ہم اسے خوب جانتے ہیں۔۔۔ عمر

بھی چالتیں سے کم نہ ہو گی اور صورت بھی اسی نہیں کہ

کوئی ترد اس کی طرف نہ ہو جائے۔۔۔ مگر اسکا شوہر

دھمکی دے رہے ہیں۔”
”تم نے کہا تو تھی اے۔ اے میان جانے دیا کرو۔“
”لیقین کیجئے۔ یہ ایک دردناک کہانی ہے۔“
”ہرگز لیقین نہیں کروں گا۔ تم اور بھلانش بدی
نالسین۔“

”میں نہ سہی۔ میرے بھائی خداماد ہی۔ آپ کے
سر کی قسم پر وغیرہ۔ اسی پر الہم کے سلسلے میں تو اس
وقت جناب کے پاس حاضر ہوں گے۔“
”میرے پاس! انہوں نے یہ رت سے آنکھیں
پھیلائیں۔

”اب کیا کیا جائے۔ ورما تو دورے پر ٹھکے ہوئے
ہیں۔ وہی کوئی نیک مشورہ دے سکتے تھے۔“
”کس قسم کا مشورہ۔ نس بندی کے سلسلے میں
اس نالائق کا مشورہ اس کے سوا کہا ہو گا کہ ہر دو پھر
والے کو ہمی فر صدت میں نس بندی کر لیتی چاہئے۔“
”یہ تو بہت حق!۔ مگر جو بچے نس بندی کے بعد بھی
پیدا ہونے سے باز نہ آیں ان کا علاج آخر کیا کیا جائے۔“
”تم پہلے اصل واقعہ سناؤ۔ کس نے نس بن ی
کرائی تھی۔“

”جناب ایک نہیں تین تین واقعے۔ آئے میں۔
یہ ہیں میرے بچا میرا شفاقت۔ ان کے گاؤں میں
ایک بیوی بچاری تو پاپی بچوں سمیت طلاق کھاگئی۔
دوسری گنڈ اس سے قتل ہونے جا رہی ہے۔ تیسرا
میرے بھائی خداماد کی بیوی ہے جس کے تین بچے ہیں۔
وہ بھی اپنے شوہر کی نظروں میں بدلیں قرار پا چکی ہے۔“
”اے تو کہا اتنی سی بات بھی آپ تو نہیں
جانتے کہ نس بندی کوئی قطعی طریقہ نہیں ہے۔ بارہا
وہ ناکام ثابت ہوتی ہے۔“

”نہیں جانتے تھے تو اب جان گئے۔ مگر میر فیض
ان بد سخت شوہروں کو کیسے لیقین دلا جائے جھنپتیں
نس بندی کرنے والوں نے بشارت دی تھی کہ اب تم تیات
کہہ رہے ہیں۔“

”تب یہاں اس وقت آپ کی تشریف آوری۔“
”اے سے میان۔ چھوٹے کیسے لیقین دلا جائے گا۔
— وہ احمد آدمی ہے۔ سمجھنے کا میرا شفاقت دل سے ٹھہر کر
کہہ رہے ہیں۔“

”پھر یہاں سے اس کی شفقتی کے لئے کمال سکے گھاٹ۔“
”یعقوب صاحب کے ہماری شناسانی تھے۔ سوچا
تھا کہ ان سے ہی کہیں خے چھوٹی کی شفقتی کا کوئی راستہ پیدا
کریں ورنہ وہ بیوی کو جان سے بھی ما رسکتا ہے۔ مگر
معصوم ہوادہ تو چھٹی پر ہیں۔ اب بتاؤ۔“ — تم ہی
بتاؤ کیا راستہ اختیار کیا جائے۔“

”میں جن صاحب کے چلکر میں ہوں ان کے سلسلے میں
بھلی کی پیچیدگی ہے کہ انہیں لیقین کیسے دلا جائے۔ آں
خکھے بیش ایک درما صاحب بھلی ہیں۔ وہ اگر دورے پر
گئے ہوتے تو ان سے مشورہ کیا جاتا۔ میرا
خیال ہے ان کے بڑے بھائی کے پاس چلا جائے۔ میں
ان سے خوب دافت ہوں۔ دیکھیں وہ کیا مشورہ دیتے ہیں۔“

”چھلو۔ درود ہوپ تو کرنی ہی چاہئے۔
آگے اللہ مالک ہے۔“

درما صاحب کے بڑے بھائی پر و فیض گھیر دیاں
سے میری شناسانی اُتے اُس سر اُنہن کلب میں شترنج
کی میز پر ہوتی تھی۔ وہ شترنج کے ان شر قبیلوں میں سے
ہیں جو لگلی ہوتی بازی چھوڑ کر اُٹھنے ہیں سکتے چاہے
ملک الموت ہی بلانے آجاتے۔ خوش تھستی سے اس
وقت گھر بھی پرستے اور بڑی خندہ پیشانی سے ہمہ دنوں
کو نوش آمدید کیا۔

”اے بھتی تم تو مدد سے نظر ہی نہیں آئے۔“
انہوں نے بچھے شکایتی نظروں سے ٹھوڑا۔ پھر ملازم کو
کوکا کولا انے کا آر در دیا۔

”بڑی مشکل میں ہوں پر و فیض صاحب۔ پارسال
نس بندی کریں ایک نئے ہمان پھر آنے کی

در ماصاحب۔ یا ان کے مکنے کا کوئی بھی آدمی ہمارے کام نہیں آ سکتا۔ اب ہمیں اپنے طور پر کچھ کرنا ہو گا۔

ساری رواداں شکر ملان کا چہرہ ہکل اٹھا۔
”میں نہ کتنی تھی شاہدہ بہن سر اسرے بے قصور ہیں۔
الشیرا شکر ہے۔“

”ابھی شکر کی منزیل کہاں آئی۔“ میں ٹو کا نظری
اور عملی مسائل میں فرق ہوتا ہے زوجہ ڈیر۔ بتاؤ
مرزا صاحب کو کیسے لفین دلایا جائے۔“

”اس کی بھی کوئی مناسب شکل آپ ضرور تکالینگے
— مگر ہاں یہ جیل سے لڑکھڑک آئے اچھا نہیں کیا۔
— معلوم نہیں مرزا صاحب پر اس کا کیا رد عمل ہوا
ہو گا۔“

”تھیں اس کی اطلاع کہاں سے ملی۔ کیا مرزا منزیل
گئی تھیں؟“

”بس گھنے بھر کئے۔ ویسے تو شاہدہ بہن اور
فرزانہ آپ کی تعریف ہی کر رہی تھیں۔ خود انہوں نے
مرزا صاحب کو اس جھلکتے گی اطلاع نہیں دی لیکن
یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انہیں معلوم ہی نہ ہوا ہو۔ بیگم
داود نے یا کسی ملازم نے ضرور بتا دیا ہو گا۔“

”والدرا علم بالصواب۔ سوال یہ ہے کہ ہمیں
کہنا کیا چاہتے۔ اگر مرزا صاحب سے یہی نہ بندی
کامو ضرور چھپرا تو وہ پہلے ہی قدم پر چونک جائیں گے
ہو سکتا ہے انہیں یہ گمان ہو کہ خود شاہدہ نے مجھے حرم
راز بنایا ہے۔“

”یہ معاملہ نازک ہے۔ لیکن آپ کی ذہانت
کے لئے اس طرح کا چیلنج کوئی نیا توہین۔“
”ماشاء اللہ۔ کیا اب حضور بھی مسکے بازی کی مشق
فرمائیں گی۔“

”بھی وہ جاپ نہیں دینے پائی تھی کہ مریم طلوع ہوئی۔“

تلکے لئے اولاد کے ہٹر اگ سے بجات پا گئے۔“

”اس کا جاپ میں کیا دے سکتا ہوں۔ تو
کیا تم وہ سستے موقع رکھتے ہو کہ وہ باخدا بسط طور پر اس
اس طرح کی کوئی نیکی دہانی کر سکے گا۔“

”شاید کر سکیں۔ امیر پر دنیا قائم ہے۔“

”لا حاصل۔ وہ اپنی ملازمت خطرے میں
بھوٹ دلانے لگا۔ اور کے کام اتنا بھی نہیں سمجھتے۔“

”سمجھتے ہیں یہ وہ فیسر بالکل سمجھتے ہیں۔ مگر ہر
آپ ہی بنائیے نا آخر۔“

”کھنہیں۔ جمالت کا انجام ایسا ہی ہونا
چاہتے۔ ایک معمونی واقعیت کا آدمی بھی جا نہ
تھے کہ یہ تھرٹنڑوں کے جتنے بھی طریقے اب تک
دریافت ہو سکے ہیں ان سب کی حیثیت اکثر حالتوں
میں انہیں کے تیر کی سی ہے۔“

”میں نے اس موضوع پر اب تک کھنہیں ٹیکھا
— اچھا اب اجازت دیجئے۔ آپ کو خدا جخواز حتم
دی۔“

”کیا آج ناما کلب میں نہیں مل رہے ہو شطرنج
کا ایک چمپین آیا ہوا ہے۔ کیا ہمیلتا ہے ظالم۔ تم آدم
تو مرا ہی آجائے تھا۔“

”تجھے اسی وقت گھر لوٹنا ہے۔ مکن ہوا تو
دو چار روز میں حاضری دوں گا۔“

”ضرور آؤ۔ وہ ابھی شاید پندرہ دن تھیں۔
میں تمہارا منتظر ہوں گا۔“

”یہاں سے چل کر ہم ایشیشن کی طرف روانہ ہوئے۔
”ھرستا اول اور زیرم۔ آخر کرنا کیا چاہتے۔“

”میر صاحب نہیں کھوئی آواز میں کہا۔“ تھمن ہمارا
بے حد لحاظ کرتا ہے۔ مگر کب تک۔ خدا جانے کسی
وقت اسے جنون اٹھا اور کس وقت وہ کیا کر گذسے۔
— شانی کی زندگی ہر وقت خطرے میں ہے۔“

”تجھے سوچنے دیجئے۔ پرو فیسر نے تھیک ہی کہا کہ
اچھی وہ جاپ نہیں دینے پائی تھی کہ مریم طلوع ہوئی۔“

آپ گھر سے قام بھی نہ نکال سکیں گے۔
”اپنے دونوں جملوں کا ربط بھی واضح کر دو۔“
”اب بنیت مرت۔ اب امیان بے حد صروف ہیں۔
کوئی جانے والا انہیں مل رہا ہے۔“

”یہ بھی دونوں فقرے بے ربط ہیں۔ اگر اب امیان
بے حد صروف ہیں تو انہیں کہیں جانے کی کیا ضرورت لاحق
ہوئی ہے۔“

”الزم جھگھے دیتے ہیں کہ دماغ چاٹتی ہے۔ اب یہ
کون بھیجا چاٹ رہا ہے۔ الاقسم آپ انتہل اور خالہ یا تیر
بھاتیں انتھی ہیں۔ کوئی ساختہ جانے والا انہیں مل رہا ہے۔
”میری حیثیت گویا بادی کارڈ کی ہو گئی۔“ میں نے
براسانہ بنایا۔

”کچھ بھی تجھی سمجھتے۔ اب امیان اسی شرط پر اجازت
دے رہے ہیں کہ آپ کو ساختے لیا جائے۔“

”تجھے آج کل فرضت نہیں ہے۔“
”بہت نہ ہوتی۔ دوسرا شود یکھیں گے۔ الہ
قسم آپ انکار نہیں کر سکتے۔“

”بھلا کیوں؟“
”اللہ کی سرفی۔ آپ جان آپ بھی چل رہی ہیں۔
بالکل چل رہی ہیں۔“

”نہیں۔ میرا سوال ہی پیر انہیں ہوتا۔ یہ جاتیں
تجاتیں۔“

”کیسے جاؤں۔ تبلیغی جماعت میں داخلہ لے لیا ہے۔
امیر حلقة کہہ رہے تھے کہ سینما دیکھنا اور شراب پینا
یہ ابھر ہے۔“

”خدا کے لئے بورنہ کیجئے۔“ مریم جڑگنی۔ ”آپ
انتہل کے میان بھی تبلیغ میں ہیں دو تو بھی انہیں نہیں کہتے۔
”شخص کو اپنی قبر میں سونا ہے“ میں نے کہا۔ ”میں
غفریب چلے کے نئے نکلنے والا ہوں۔ بجائے پھر کسکو اگر
تم چلتے من میرا ساختہ دو تو میں تھیں جنت کی خوشیم کروں۔“
”آپ جتنی ہی باشیں بنائیں آج پر وکر ام ٹھل ہیں۔“

”آپ کا دماغ دراصل آپا جان ہی کے لاڑپیار نہ خراب
کر سکا ہے۔“ اس کا اندر از للاکار نے کا تھا۔ ظاہر ہے ہمارا
آخری مکالمہ اس کے کافیوں میں پڑ گیا ہو گا۔

”ذکر اسلام نہ دعا۔ یہ کیا بد تحریزی ہے۔“ میں نے
آنکھیں نکالیں۔

”میں آپ سے بُری طرح ناراض ہوں۔ ہذا اسلام دعا
کا سوال ہی پیر انہیں ہوتا۔“

”کس خوشی میں ناراض ہو؟“

”شاید چار دن ہو گئے۔ حب آتی ہوں جناب
غائب۔ ہمیں تواب آپ کے قدم طکتے ہی نہیں۔“

”اے تو میں تھماری جلس سے ہوں کیا۔ شاید
کوئی اور نہ مل رہا ہو گا دماغ چاٹنے کو۔“

”آپ کے پاس دماغ ہے یہ بھاں جو کوئی چاٹے گا۔
آپا جان۔ آپ انہیں بہت دھیل دیتی ہیں۔“

”ملائیں سکرائی۔ تھھڑا رہ آگئا۔“

”او لڑکی۔ میں تھمارے کان ٹھنچی کو گردی میں
لگا دوں گا۔ کیا تم نہیں دیکھ سکتیں کہ اس وقت ہم لوگ
کس قدر سخیدہ ہو گئیں۔“

”شاپر چیکو سلو ایکہ پر وس کے جملے کا مستلزم پر
غور ہو گا۔ ارے ملابھائی۔ الاقسم آپنے اپنی زندگی
برپا دکر لی۔ پتا نہیں صوفیوں کو نیوں میں آپ کو کیا
ہزا آتا ہے۔“

”دیکھ رہی ہو تم۔“ میں احتجاج کے اندر اس
ملائیں کی طرف دیکھا۔ یہ تھمارے منہ پر میری ڈائرکٹ
تریہیں کر رہی ہے۔“

”قصور اس بچاری کا بھی نہیں۔ یہ چار ورز سے
تحمیں ڈھونڈ رہی ہے۔“

”اور میں افسریقیہ کے کسی مگنے جنگل میں گم
ہو گیا ہوں۔ تم بھی کمال کریتی ہو۔“

”اے تو تھمارے کیوں چار ہے ہیں۔“ مریم
ٹھرستے بولی۔ ”خبر بھی ہے نگار میں آدمی لگا رہا ہے۔ آج

علیک سلیک کے فوراً بعد خواجہ صاحب حستے شریما یا:-
”بڑے عسیر پوچھی ۔ تھمارا ہی ذکر ہو رہا تھا۔
کل دوپہر کا لکھانام یہیں کھار ہے ہو۔“
”بہت بہت شکریہ۔ یہیں ۔ کوئی خاص
معاملہ؟“

”خاص و اصل کیا ۔ ہمارے ایک عزیز داکٹر
سر فراز مبینی سے تشریف لائے ہیں۔ سوچا ان کے
ساتھ لیٹنے احباب کا تعارف دستر خوان ہی پر ہو جا۔“
”کیا بخوبی کے داکٹر ہیں یا فقط آنر بری۔“
”ایک درجن داگر یاں ہیں۔ بھی بھی جاگر دیکھو گے
تو ان میٹروں کا شماہنشکل ہو جائے گا جن پر آنے
وائے مرلیضوں کو قطار میں لگا کر اپنی باری کا انتظار کرنا
پڑتا ہے۔“

”اوے کے ۔ پھر تو دعوت منظور ۔ میں سمجھتا تھا
ایسے ہی کوئی داکٹر ہوں گے جیسے داکٹر آف ایجنسن۔
ڈاکٹر آف ال۔ ڈاکٹر آف امیلنس۔“

”امیلنس“ خواجہ صاحب نے آنکھیں پھیلائیں۔
”دیکھو عزیزم ۔ ڈاکٹر سرفراز نیم تو تو دگی زبان تو
تاپوں رکھنا ضروری نہیں کہ وہ بھی تھماری موشکانیوں
سے حظ انزوں ہونے کا ذوق رکھتے ہی ہوں۔“

”دیکھا جائے گا ۔ مگر۔ اوہ ۔ میں بھلو کیسے
شریک دعوت ہو سکتا ہوں ۔ نہیں خواجہ صاحب۔“
”نہیں ۔ نہیں چمغی دارد؟“

”در اصل ۔ مجبوری ہے۔ میں بھول گیا تھا۔
کل دوپہر تو خود میرے دوچھان آ رہے ہیں۔“
”کوئی مضمانت نہیں دہ بھی یہیں کھالیں گے۔
کہون ہیں بھلا؟“

”آپ کی سمجھیں نہیں آئیں گے۔ ہندو مسلم بھائی
بھائی والا چکر ہے۔“
”یعنی؟“
”ایک تو میرے چھاہیں۔ میرا شفاق۔ دوسرے

سکتا۔ میں ابھی آپا امتنل اور خالہ یا سینے کے یہاں
کھلوائے دیتی ہوں۔“
”جو چاہے کرتی پھر وہ۔ میں کوئی ضمانت نہیں
لے سکتا۔“

”آپا جان۔ آپ کی ذمہ داری ہے انھیں
کھانے کے بعد جانے نہ دیکھو گا۔“

”بھی پیچ میں کہاں الجھاتی ہو۔ یہ جانیں اور
تم۔“

”ملابھائی بڑی سخت جنگ ہو جائے گی۔ اب
جلدی سے کہاں ناکہ اچھا جیلوں گا۔“

”ابھی میں اس سے دیز تک خوشامد کر اتا مگر اسی
وقت کندھی ٹھکی اور کیادیکھنا ہوں کہ دروازے میں
حافظ محبت ہٹڑے ہیں۔ اب یہ چھا چھوٹنا آسان نہ تھا۔
یہ چک جانے والے بزرگ ہیں۔ جسمے توہین جنمے شعر
خوب کہتے ہیں مگر قوائی کی بھروسی۔ عرسوں کے شید ای پیر
کلیر شریفت میں آنے والیں نر نار عاشقانہ اور یار کی
مفصل فہرست انھیں بہیشہ از بر رہتی ہے۔ دار ہی سفید
ہو چکی مگر خدا کے بغیر گھر سے باہر تدم نہیں نکالتے۔
میں انھیں نشست گاہ میں بھاگر ٹھیر میں لوٹا جیم
سرہ اپا انتظار بھی میں دروازے پر ہٹڑی بھی۔“

”جاوہ بایا۔ کھلوادا آپا امتنل اور خالہ یا سینے کو۔
مگر ایک شرط ہے۔ اپنے بیٹا باجے وہ ساتھ نہیں
لے جائیدیں گی۔“

”کیا مطلب؟“
”اڑے دہی طبو متو چنو۔ اگر کوئی بچہ بھی انھوں
نے بغل میں دبایا تو قیامت تک ساتھ نہیں جاؤں گا۔“
”پھر میں حافظ محبت سے اپنی طبو پڑی کی مرمت
کرنے بیٹھاں میں مٹا گیا۔“

تیرے دن کا دیار قلعہ ہے۔ مغرب بعد خواجہ نہ مدد
کی طرف جانکلا تو مرزاجم الحی صاحب بمحی تشریف فرماتھے

میں شد اور خواجہ کے بہاں پہنچا۔ گھر طریقی ایک بجا رہی تھی حالانکہ مجھے بارہ بجے تک وہاں پہنچ جانا چاہیے تھا۔

”کمال کردیا تم نے عزیزم۔“ خواجہ صاحب میری صورت دیکھتے ہی شکا بیٹہ بولے ”یہ تو سوچ لیتے کہ کچھ اور لوگ بھی تھمارے منتظر ہیں۔“

”میرے حد تشرمند ہوں خواجہ صاحب۔“ بات ہی ایسی پیش آئی۔“

”وہ مجھے معلوم ہو چکا ہے۔“ خواجہ کا لہجہ خاصا نا خوشگوار تھا۔ صوفیہ کو تھمارے گھر بھجا تھا۔ اس نے اُکر بتایا کہ کسی ماموں کے ساتھ مخفی رضوان کے بہاں چلے گئے ہیں۔“

”یہ پیشہ دیکھ رہے ہیں آپ سے لس بھائیں چکا۔“ ”ارے بدھو تو۔“ وضاختین بعد میں کہتا۔“

تمام حاضرین مجلس کی نظریں میری طرف اٹھی ہوتی تھیں۔ سننی میں یہ پانچ تھے۔ مرزاجنم المحن۔ داکٹر سرفراز از۔ حکیم شناور اللہ۔ مرزاجل الشفا اور پھمن۔ پھمن چہرے سے تو گاڑی ہی تھا مگر نہ اس صاف

ستھن اپن کر آتا تھا۔ حکیم شناور اللہ نے بدین پر وہی لمبا سا گیروں کے رنگ کا کرتہ تھا جس میں وہ حکیم سے

زیادہ درودیں نظر آتے تھے۔ داکٹر سرفراز کی شخصیت ستر کیا تھی۔ سویٹی بوڈی۔ آنکھوں پر چشمہ انگلیوں میں جملدار انگلیوں کی انبگی تھیں۔ چہرہ و چہرہ۔ قائمت کثیرہ۔ رسم تعارف کی ادائیگی کے بعد مرزاجم صاحب

مجھے سے گویا ہوتے ہیں۔“

”سب کو بھوکا مار دیا تم نے۔ کس طرح کے میں تھارے خالو اور ماموں۔ سب بغیر اطلاع عین لھانے سے کے وقت آٹھتے ہیں۔“

”فلک نامہ بخاری کی عنایت ہے مرزاجم صاحب۔“ میں ادھر آنے کے لئے پرہیزی کی توں رہا تھا کہ دفعتاً ماموں و حیل المحن کی رکشانہ فوازے پر مرگی۔ وہ بڑے بڑی پہنچانی کے عالم میں ایک استفتا میں کمر دہی سے آئے تھے۔ تینہن

ان کا پڑھو سی ہے پھمن۔ کس مقدارے کے سلسلے میں کماون سے آرہے ہیں۔“

”چلو کہا تھر ج ہے۔ بہمان کا بہمان رپنا بہمان۔“ پھمن صہار شب کے لئے پوری کھوجی کا انتظام ہو جاتے گا۔“

”کیوں زحمت ہوں یہتے ہیں۔“ میں داکٹر صاحب سے بغیر دعوت کے بھی تعارف حاصل کر سکوں گا۔“

”نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کیوں مرزاجم۔“ ”بالکل بالکل۔“ مرزاجم صاحب پر جوش لمحے میں کہا

ان کے بغیر دعوت کا لطف کہاں آئے گا۔“ بھی ملے صاحب اس آپ سے شرمذہ ہوں۔ اس دن آپ مرزاجم

منزل پہنچ مگر میں وہاں موجود نہ ہوا۔ ایک الفتنی کام کے چکر میں پھنس گیا تھا مارنے۔“

”کوئی بات نہیں۔ آپ کے بغیر بھی آپ کے درد دلت پر میسرے کام وہیں کی سیرابی کا اہنگام خاطر خواہ ہو گیا تھا۔“ آپ کی والدہ صاحبہ میرے حد شفیقیں ہیں۔“

”اور پھر بھی تم نے دوبارہ ادھر کا رُخ ہی نہیں کیا!“ مرزاجم صاحب کا لہجہ معترضناہ تھا۔

”بس اتفاق۔“ ورنہ جی تو بھی چاہتا تھا کہ اس عشرت کدے میں روزہ بھی جایا جائے۔“

”پھر کس نے تھیں روزہ کا ہے۔ چلو بھی ہمارے ساتھ چلو۔ کھانا وہیں کھانا۔“

”شکریہ۔ اس وقت نہیں۔ کل دوپہر کھانے سے فاغہ ہو کر ہیں سے آپ کے ساتھ چلا چلوں گا۔“

”چلیوں ہی ہی۔ مرزاجم زبری شاندار تفریحات کا مرکز رہی ہے۔ اب پچھلے دنوں سے وہاں سناٹا ہے۔“

”میں مستفسرانہ اندازیں ان کی طرف دیکھتا رہا کہ شاید ابھی کچھ اور کہیں گے مگر طویل سانس لیکر وہ خاموش ہو سکتے۔“ ان کے چہرے پر انخلال کا سایہ مرزاجم تھا۔

”تقریباً لصفت ہنسنے بعد یہ مجلس بہ خواست ہوئی۔“

”اگلے دن کی دوپہر زیادہ گرم نہیں تھی مگر میں پسینے

خواجہ کے پھرے پر تو طرف اتنا و تھا۔
”میں تم سے کم آنے بخاب کر دوں تو طرف کا کرایہ
پیش کر سکوں گا۔“ طاکٹر نے پختہ ہوئے لہجے میں جواب
دیا۔

”دیکھتے طاکٹر سرفراز۔“ خواجہ جلدی سے
لوٹے ”یہ ہمارے ملائیاں۔ ہم سبکے نزدیک بغیر
مختلف ہیں۔ ان کی کسی بات کا برانہ نہیں گا۔“ پھر
وہ میری طرف متوجہ ہوئے۔ یا کبھی تو سنجیدہ
ہو جایا کرو۔ ایک قریب کو جو کام رہا پھر۔
”کھانے کے دوران بات کرنا گناہ ہے خواجہ
صاحب۔“ میں نے طوکا۔

”گناہ ثواب سب ہم دیکھ لیں گے۔“ تم
بتاؤ معاملہ کیا تھا۔ کون ماہوں کیسا استفقار لیکر ٹھیک
کھانے کے وقت نازل ہو گئے تھے۔“

”ماہوں وحید الحسن۔ رشتے کے ماہوں ہیں۔ میری
دادی اور ان کی نانی ہم زلفی کے رشتے سے ایک دوسرے
کی بہنیں لگتی تھیں۔“

”بھٹی۔ یہ شجرے تم اپنے پاس ہی کھو۔“ خواجہ
چھنجلا گئے۔ وہ تھارے ماہوں تھے بس اتنا ہی کافی
ہے۔ آگے؟“

”وہ اپنے گھرانے کا ایک نازک پرالبھم تھا
لیکر آئے تھے۔ معاملہ اتنا ہم نہ ہوتا تو میں ہرگز ان
کے ساتھ دوڑا دوڑا مفتی صاحب کے یہاں نہ جاتا۔“
”ہم بھی تو نہیں کیا پرالبھم تھا۔“

”کیا سناؤں۔ اکدم و اہمیات۔ ان کے
ایک عنبر نہیں انھوں نے کثرت اولاد متنگ آکر
لش بندی کر لی تھی مگر اب دوسال بعد پھر ان کی زوجہ
ماں بننے کی تیاری کر رہی ہیں۔“

جملہ حاضر من چونکے۔ مرز اصحاب کا بنا بنا یا
لقنیزج میں رُک گئی۔ چھمن نے بھی گردان موڑ کر میری
طرف مکملانی باندھ دی۔

لگے کہ ابھی اسی وقت مفتی رضوان کے یہاں چلو۔ اس
استفقار کا جواب لکھوا کر فرما جھے لوٹنا ہے۔ میں نے
عرض کیا کہ ایک جگہ میری دعوت ہے۔ پچھے اور بھی
جمان وہاں ہوں گے۔ میرے انتظار میں انھیں پڑتی
زمحمد اٹھانی پڑے گی۔ مگر۔“

”اے بھٹی پھٹے باقاعدہ دھولے۔“ خواجہ صاحب
نے کہا ”باتیں بعد میں بھی ہو سکتی ہیں۔“

ملازم صادر نے رب کے باقاعدہ حلالے پھر کھانا
شرکوں ہوا۔ چھمن کے لئے خاصی بڑی تحال الگ تھی
جس میں کئی طرح کی ترکاریوں کے علاوہ پھل اور مٹھائیں
نظر آرہی تھیں۔

”میں آپ سے بے حد شرمداہ ہوں طاکٹر صاحب۔“
چند قبیوں کے بعد میں بولا۔

”صرف بھڑے سے طاکٹر نے منتسب لمحے میں کہا۔
”حالانکہ جناب کے انتظار کا عذاب ان سب سے جھیلائے ہے۔“

”یہ سب تو کسی نہ کسی شخص میں بھٹے سے انتقام لے
ہیں گے۔“ مگر آنے بخاب کو اس کا موقع کہاں
لے گا۔ ویسے شام کا کھانا آپ غریب خانے پر ہی کھائیے
تو اپنے جرم کی کچھ تلاذی شاید میں کر رہی دوں۔“

”مجھے بہت خوشی ہوتی آپ کی دعوت قبول
کر کے طاکٹر کا ہجہ نہادت شاشتہ تھا۔“ لیکن آج
ہی شام کی ایکسپریس سے لوٹتا ہے۔“

”آج ہی۔ کیا دو دن بھی نہ ٹھیریں گے۔“ خواجہ
نے استفسار کیا۔

”نا ممکن ہے۔ آج ہی رات دہلی میں ہیلچہ
سو ساٹھی کی ملنگی ہے۔ اس میں شرکت بے حاضر و ری
ہے۔ دیسے میں آپ سمجھی حضرات کو بھٹی نہیں کی دعوت
دیتا ہوں۔ فورٹ کے علاقے میں کسی سے بھی پوچھے
یعنی گا طاکٹر صاحب کا کلینک کہاں ہے۔“

”بھٹی کا کر اب یہ نہ دے گا۔“ میرے منھ سے
بس خواجہ خواجہ نکلی گیا۔ سمجھی نے بھٹے ٹھیکورا۔ خصوصاً

”تودہلی سے یہاں تھمارے ماموں کیا لیئے آئے تھے؟ خواجہ نے پوچھا۔

”فتوقی — ایسے حالات میں شریعت کیا حکم دیتا ہے؟“

”مفتی صاحب جان تودہلی میں بھی کم نہیں ہیں پھر دینہ بند ہی کیوں؟“

”ارے صاحب۔ وہاں کے مفتی سے تو فتویٰ لے لیا گیا تھا مگر ان کے عزیز کی تسلی اس سے نہیں ہوئی۔ وہ کہنے لگے کہ اتنے اہم معاملے میں وہ دینہ بند کے مفتی رضوان کے سوا کسی کے فتوے پر بھروسہ نہ کریں گے۔ اب اگر ماموں اس میں تاخیر کرتے تو وہ بیوی کو طلاق دینے پڑتے ہیں۔“

”دہلی کے مفتی نے کیا فتویٰ دیا تھا؟“ دعتمارزا صاحب نے پوچھا۔

”وہی جو مفتی رضوان نے دیا۔“
”یعنی؟“

”نس بندی کا اعتبار شریعت میں نہیں۔ ہر نے والا مولود حلالی ہی گا۔“

”کیا آپ صحیح کہہ رہے ہیں؟“ ڈاکٹر سرفراز نے چونکے کے انداز میں پوچھا۔

”بالکل صحیح کہہ رہا ہوں۔“ اوہو — پھر نہیں اپنے خجال کی صلاح کرنی ہوئی۔ ڈاکٹر کا یہجہ ایسا تھا کہ بھی بڑی دلچسپی سے ادھر متوجہ ہوئے۔ ہر آنکھ میں استفسار تھا۔

”میں بھروسہ رہا تھا کہ ہمارے مولوی لوگ حقائق سے بے بہرہ رہنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ مگر یہ فتواء بتاتا ہے کہ وہ حقیقت پسندی کی طرف جا رہے ہیں۔“ ڈاکٹر نے اہمیت جاتنے کے انداز میں گردن کو حرکت دیتے ہوئے کہا۔

”چھٹشتریج بھی عطا ہو۔“ میں نے عرض کیا۔
”یہ بات پایہ تحقیق کو اپنی جگی ہے کہ نس بندی

قابلِ اعتماد نہیں ہے۔ خود میرے پاس ان تین سالوں میں کم و بیش سچا سیں ایسے آئے ہوں گے جن سے ظاہر ہو اک لئے بندی کے بعد بھی تقریباً تیس فیصد مرد باپ بننے کی صلاحیت کے حوالہ رہتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ بعض کی حالت میں یہ صلاحیت زیادہ سالوں تک معطل پڑی رہے اور بعض کی حالت میں سال چھٹیں بھی بعدی زیگ لانے لگے۔“

”یہ کہہ کر داکٹر نے لفہ منہ میں ڈالا۔“

”آپ بجا فرمائے ہیں“ حکیم شمار الدین صاحب کی پاٹدار آواز کو سمجھی۔ ”میں خدا یہی متعارہ کیسیوں سے دوچار ہو چکا ہوں۔ جالینوس نے کہا تھا موت کی طرح سداش بھی اٹلی ہے۔ میں بھتنا ہوں یہ مقولہ آج بھی تکریتی شیں ہے۔“

”خدا میری حالت پر حرم کرے۔“ میں نے کہا ہے کے انداز میں لب ٹکوئے۔ ”ابھی چند ہی روز تو ہوتے میرے ایک کمر ضرما پیر و فیسر رُجھیر دیاں نے بھی دعویٰ کیا تھا مگر میں نے ایکیں سنتکی سمجھ کر بات مذکور میں اڑادی۔ خود ماتلوں وجدی الحسن کہہ رہے تھے کہ ان کے اپنے جانش و والوں میں دو آدمی ایسے موجود ہیں جو نس بندی کے بعد بھی باپ بن بیٹھے۔ کس قیامت کی سرکش ہے یہ آنے والی پود۔ ہر بند کو تو طناڑکر اُبی چلی آرہی ہے۔“

”صرف نس بندی کی بات نہیں۔“ ڈاکٹر نے کہا
”جب میں انگلینڈ میں تھا۔ سات اعلیٰ درجے کے ڈاکٹروں کی ملکیتی تھی جو اس مشتعل کے تمام پہلوؤں پر خالص سائنسی نقطہ نظر سے غور کرنے کے لئے۔ اور پھر اس کا نتیجہ فکر یہ سامنے آیا تھا کہ بہرہ نہیں کیا کہ تمام دریافت شدہ طریقے اور معاملے ستر فیصد سے زیادہ لقینی نہیں ہیں۔“

”خدا اکی پناہ“ میں نے ٹکٹا گکایا۔ پھر تو مولوی بہان الدین ٹھیک ہی کہتے ہوں گے کہ جے پورہ میں

ہی رہوں گا۔

”ضرور“

پھر میں نے نظر چاکر خواجہ سردار کو آگئے سارے اور وہ اس طرح مسکراتے جیسے ہوئے تو میں گردہ لگا رہے ہوں۔

اب یہ وضاحت تو شاید غیر ضروری ہی ہو گی کہ یہ دعوت دراصل دعوت نہیں تھی بلکہ ایک دراصل تھا جسے ہر ی تھنست اور فقط رسمی کے ساتھ ترتیب دیا گیا تھا۔ مرزا بحمن الحسن یا بحمن کو اگر برادر ارشت بھجا یا جاتا تو وہ ہرگز بھی طبق نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن اس دراصل نے اخفیں اس طرح مطہرین کو دیا کہ شک و مشبه کی آخری رمق بھی ان کے دل و دماغ سے نکل تھی۔ ٹاکٹر سرفراز سے آپ آج بھی مل سکتے ہیں مگر اس کے لئے بمبئی جانا نہیں پڑے گا بلکہ اسی وسیعی بتی میں وہ آپ کو مل جائیں گے جہاں فیملی پلانگ والوں نے ضمایع سینیٹر قائم کیا ہے اور جب آپ ان سے میں تو اپنے لئے لشکر لکھوانے کی کوشش ہرگز نہ کریں کیونکہ وہ ٹاکٹر نہیں ہیں بلکہ کپڑے کے تاجر ہیں اور زام بھی ان کا سرفراز نہیں بلکہ بختی حیں ہے۔

تبیغی جماعت کے ایک سرکرد بننے کے پیشے ساری کہانی سن کر راستے ظاہر کی ہے کہ ملائے اپنی عاقبت خراب کر لی۔ دھوکہ دینے اور دراصل مکھیتے پر اسے ایک ہزار سال تک دوزخ میں جلیں گے۔ ملا کو ہرگز نہ چار سو بیس نہیں کرنی چاہئے تھی۔ وغیرہ وغیرہ میں نے دریافت کیا کہ پھر کی تحریک کی جائے جس سے تجسسات کی راہ نکلنے۔ فرمایا ڈوچلے دوسارے گناہ دھل جائیں گے۔ میں نے کہا دو گوں۔ کیا ایک سے کام نہیں چلے گا۔ فرمائے گئے۔ تم نے دو ادمیوں کو دھوکا دیا ہے۔ مرزا بحمن الحسن کو اور بھین کو۔ لہذا ایک سے کام نہیں چل سکتا۔

ان کے ایک عزیز ہیں جوں بندی کے بعد بھی برادر باپ بنتے ہلے جا رہے ہیں۔

”چند کیسوں پر مو قوف نہیں“ ڈاکٹر نے کہا ”جب بھی رسرچ کی جائے گی ہر شہر میں ایسے متعدد لوگ مل جائیں گے جنہیں نہ بندی سے فائدہ نہ ہوا ہو گا۔ لذا صاحب اب میں کئی سال سے اس کوشش میں ہوں کہ کوئی صند کامیاب طریقہ دریافت کروں مگر ہنوز دلی دور است۔ نیقین تیجے جو بھی ایسی چیز دریافت کرنے میں کامیاب ہو جائے گا بے انداز دولت کما سکے گا۔

میں ان مکالموں کے دوران رہ رہ کر تنکیسوں سے مرزا اور بھپن کو دیکھے جا رہا تھا۔ دو نویں ہی کے چہروں پر ان کے دلی جذبات کی پر چھائیں صاف نظر آرہی تھیں۔ خصوصاً مرزا صاحب کی کیفیت تو اسی نظر آئی جیسے ایک علاف سان کے چہرے سے اتر گیا ہو۔

پھر گفتگو کا رخ دوسرے موضوعات کی طرف مرت گیا۔

اور پھر جب چلوں کا دور ختم کر کے سارے بھان ایک ایک کر کے رخصت ہونے لگے تو مرزا میرا ہاتھ پکڑ کر بولے۔

”چل ریے ہونا ہمارے ساتھ۔“

”اس وقت تو معافی دیجئے۔ مجھے ذرا ان کے ساتھ جانا ہے۔“ میں نے میرا شفاق اور بھپن کی طرف اشارہ کیا جو خواجہ سردار سے رخصتی گفتگو کی رسما پوری کر رہے تھے۔

”پھر کس وقت آرہے ہو؟“ ”کسی بھی وقت آنکھوں کا۔ شاید ڈاکٹر سرفراز کو رخصت کرنے اٹیشن بھی جائز۔“

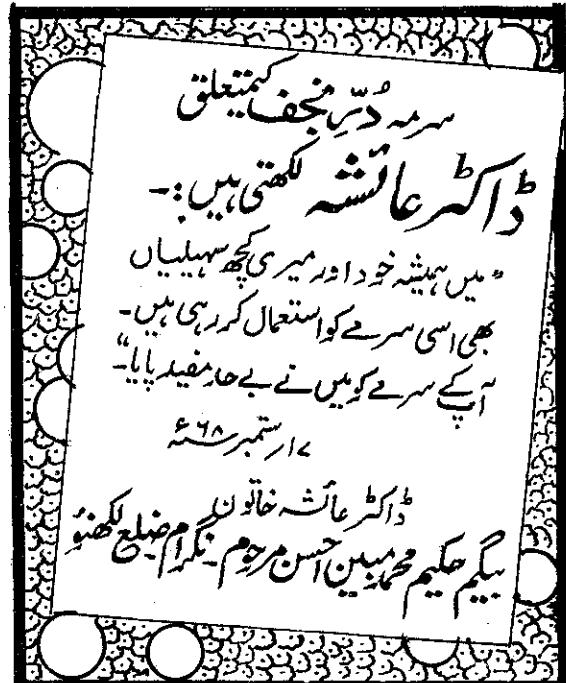
”ٹراپل ڈاکٹر معلوم ہوتا ہے۔ اچھا جس وقت بھی موقعہ ملے آ جانا۔“ میں آج گھر

تصانیف حافظ امام الدین امتنگی

۱/-	ہدایوں کا حقیقی جائزہ
۱/-	الزار الاسلام پیکار مصایبِ الاسلام
۱/-	افاضات سورہ نیتس
-/۵۰	اردو سہنگی ماسٹر
-/۶۵	بے مثال زندگی
-/۵۰	جزیرہ کی حقیقت
-/۸۰	حضرت ناطمہ نبیرہ
-/۲۵	حضرت خدیجہ الکبری رض
-/۸۰	حضرت عثمان ذی النوریہ
۲/۲۵	خاصائی خدا کا خوت آفرت سر و صدر
-/۹۵	خاصائی خدا کی نازس
۱/-	رسالتِ محمدی کے حقیقی دلائل
-/۳۴	روحانی تصریح کا جائزہ
-/۴۵	سفرائی اسلام
۱/-	عقیدۂ رسالت اور اوتار مکمل
-/۸۰	عقیدۂ آخرت کے حقیقی دلائل
۱/-	عقیدۂ بخشات کا جائزہ
۱/-	علم برداران اسلام
۱/-	نماز کے فصل
-/۶۰	عقیدۂ توحید اور انسانیت
-/۵۰	معلم نماز سہنگی
-/۵۰	معلم نماز اردو
۲/۲۵	معیاری اسلامی حکومت
۱/-	مسلمان شہر دیوبیوی

مکتبہ ملکی - دیوبند (دیوبی)

اب قہر درویش برجان درویش میں پہلے جلنے کو
نکل رہا ہوں۔ اگر زندہ بچا تو وہ نہ سے تو بھی نکلوں
کا پھر بھی زندہ رہ گیا تو الشام اللہ مرزا منزل میں
آپ سے ملاقات ہوگی۔ فقط والسلام۔



یازار روٹ رشتہ کسے کہتے ہیں، اس کی
لکھی تھیں ہیں۔ آج کے درجن مسعود
میں رشوٹ کے کس طرح پوچھا سکتا ہے۔ ان سوالات کے جواب
قرآن و حدیث کی روشنی میں۔ قیمت۔ دو رد پے پوچھا سی پے
تاریخ عہدی اور امیہ میہ بخداوی۔ قوچہ بیرونیہ
عہد زنا میر پر ایک مستند اور سنبھیادی کتاب۔ ہر
لحاظ سے مددہ۔ چھروپے پچھتر پے ۷۸۵

شیرالمجاہس حضرت خواجہ تصسیر الدین عجمی جراح
دیوبی سی کے پاکیزہ لفظات، سلوک و
طریقۂ کاچڑ، معارف و اسرار کا عطر، قیمت ۷۵۰

نقد و تصریح

مستقل عنوان

کھرد کھوٹے

رسلوپ اور انداز فکر کی انفرادیت اپنی ایک مستقیم صفت پر رکھتی ہے جس میں اور کوئی بھی شامل نظر نہیں آتا۔ ان کے قلبی شہر پارے — خواہ وہ ادب کی سی بھی صفت سے متعلق رکھتے ہوں ہیئت اور فکر درنوں کے حسن سے ملا مال ہوتے ہیں۔ ابہام، الجھاؤ، انجیخیخ، اخلاق اور خلط ملطان کے بہاں بالکل نہیں۔ صاف صاف نہیں۔ دوڑوگ۔ عیان اور فیصلہ کن۔ لیکن دادعات کی وہ کیفیت ان کے بہاں خوب خوب لٹتی ہے جیسے عین الیقین کا سوادِ مشتعل کہہ سکتے ہیں۔

دل کش انداز بیان اور صاحب فکر مشتعل مضمایں کو خوڑے خوڑے وقت کے بعد پھر سے پڑھے بیا جائے تو اسے وقت کا ضمایع ہرگز نہیں کہیں گے۔ بلکہ بہارے نزدیک تو اُم علم حمزیں پڑھنے سے نہیں بہتر ہے کہ مطابع کامرِ پیشِ لوت پھیر کر وہ لکت ایں اور مضمایں ضرور پڑھتا رہے جو ادب والشارکی رعنائی کے ساتھ ساتھ معنوی افادیت کے پہلو بھی اپنے اندر رکھتے ہوں۔

اسعد گیلانی کا انداز بیان اتنادل حسیب و دلپذیر ہے کہ عمومی حافظت کے لوگ سال جھماہ کے فصل سے ان کی تحریریوں کو دوبارہ پڑھیں تو وہی لطف اٹھائیں گے جو تازہ اور شنگفتہ تحریریوں کے مطالعے میں ہوتا ہے۔ اس مجموعے کے تقریباً تمام ہی مضمایں واقعی منتخب

چاند کا سلام

- اسعد گیلانی کے منتخب مضمایں۔
- مرتبین: - فروغ احمد ایم۔ اے • آباد شاہ پری ایم۔ اے • غلام حسین اٹھر ایم۔ اے
- رفیع الدین ہاشمی ایم۔ اے -
- لکھائی چھبائی کاغذ علیت ناشر: - ادارہ ادب اسلامی۔ تحریک گودھا (پاک)
- قیمت چار روپے • صفحات ۲۲۸

اسعد گیلانی کے جو مضمایں چھوٹے بڑے مجموعوں کی شکل میں موجود ہیں یہ کتاب "چاند کا سلام" اکھی مجموعوں سے انتخاب کئے ہوئے مضمایں کا جملہ نہ ہے یہ انتخاب کرنے والے چاروں حضرات کی خوش مذاقی پر اعتماد کرنے کے لئے ان کی ذمہ بیان ہی کافی ہیں۔ پھر ویسے بھی وہ لطیری حلقوں میں گھنام نہیں ہیں۔ اس کتاب پر پہلا دباصہ فروغ احمد کا ہے جانکی سخن فرمی اور صلاحیت اٹھار کا بڑا چھا آئینہ ہے۔ دوسرا دباصہ "یہ مجموعہ" کے عنوان سے رفیع ہاشمی کا ہے، کوئی شک نہیں کہ اسلام پسند ادیبوں میں اسعد گیلانی نہ صرف انتیازی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ ان کے

لا یاگیا، حالانکہ جب بیو، مظلوم اور ضعیف سب کو بصیرت
جمع لایا گیا تھا تو فحافت مشقی تھی کہ تنیم کو بھی جمع ہی لاما
جاتا۔ پھر ”پیش بھانا“ دوسرے بھاؤں ہے۔ پیش بھاتی
نہیں جاتی کم یا زیادہ کی جاتی ہے۔ بھانا آگاہ و ریتگاری
وغیرہ کے ساتھ موزوں ہوتا ہے۔

”جن کا تخت طاؤس انسانی“ کھوڑیوں پر کھڑا
ہے۔ (ص ۵۲)

”تخت کھڑا ہے“ صحیح زبان نہیں۔ رکھا ہے یا بچھا
ہے ہونا چاہئے تھا۔

”جن کا دقار ہر آہ“ ترپ اور طبیس کے احساس
سے بلند ہے۔ (ص ۵۲)

اس جملے میں زمشقی کا انداز پایا جاتا ہے۔
”اور عدل وال الفاف جن کی کھنی میں ذاتے طے
تھے جو ابن آدم کو مگر ای کی ہلکتوں سے بخات
دینے آئے تھے۔“ (ص ۵۲)

مرادفات کا عطف کوئی معیوب ہیز نہیں لیکن یہاں محل
کسی اور وصف کے اضافے کا تھا۔ اولیٰ ہوتا اگر بھائے
عدل وال الفاف کے عدل و دیانت لکھا جاتا ”مگر ای کی ہلکتوں“
بھی اٹھڑا ہوا سا ہے۔ یا تو ہلکتوں کا لفظ ہیان ہوتا ہی نہیں
یا پھر ”مگر ای کی ہلکتوں سامانیوں“ ہما جاتا۔
”جن کی جیسیں خوف انفاق مال سے بخیج جاتی
ہیں۔“ (ص ۵۲)

جیسوں کا بخیج جاتا بلیغ اندازیاں نہیں۔
”اور ان کی مکر کی ہمت انھیں جواب دے تھی ہے“ مگر
محاذہ ”کمر ہمت“ ہے نہ کہ ”کمر کی ہمت“۔ ”انھیں“
بھی ہیاں حشو ہے۔ صحیح جملہ یوں ہو گا۔

”اور ان کی مکر ہمت جواب دے تھی ہے۔“
صحیح عذتا را ایک ایڈٹری ایک وزیر)۔ — جب
تلبے آسمان نک ایک سلسلہ تاریخ پوریت معلق
ہو جاتا ہے۔“
اول تو ”تمہاری عبودیت“ کوئی شکم ترکیب نہیں۔

ہیں۔ ”تفہیما“ کا لفظ ہم نے اختیاطاً لکھا رہا تاکہ بعض
خاص مزاج و مذاق کے قاری اگر کسی مضمون کے انتباہ
مشق نہ ہوں تو ہماری یہ ”تفہیما“ ان کی خفگی کو حد نہیں
متبازن رہ ہوئے دے۔

ویسے ہمارا خیال ہے کہ اس عرصہ میں انتہجیہ مضامین
پر ایک نظاہر اصلاح بھی ڈال لیتے تو زیادہ اچھا ہوتا
ظاہر ہے کہ کوئی بھی اپنی قلم بخت و پیز کے مراحل سے
گذرے بغیر خستہ کارا اور مشاق نہیں ہوتا۔ آج جتنا
یعنی مخصوص کے قلم میں آپلی ہے وہ کچھ سال پہلے نہیں
تھی۔ پچھے پن کی چند مثالیں یہ ہیں:-

”ایسا حسوس ہوا جسے اندر ہیرے میں رہنے
کی ایک لکیر سی کھجوج تھی جس کی انجلی تھی اُکر
میں احتظرابے اس اندر ہے دریا کے پانہ نکل
سکوں گا۔“ (صل ۱۔ تصویر یہیں)

اگر سدیت کے ایک جزوی انشٹر اک کی بناء پر
روشنی کی لکڑی کا جھلک سے تشبیہ ہے جاسکے تب بھی یہ کوئی پلیزیر
تشہیر نہ ہو گی مگر یہاں تو بات اس سے آگے گئی ہے۔
”لکیر کی انجلی“ کی وجہ ای توجہ بھی دشوار ہی ہے،
چہ جا مکر و اقطاعی توجیہ۔ اول مھر دریا کی صفت ”انھا“
لاناخو شکوا رہ نہیں۔ — اسی حد تین نام

ہناد مرقی پسند تو بہت کرتے ہیں مگر۔!
”کسی نے صرگوشی نہ کی اور نہ اپرایا۔“ (ص ۴۹)
”اپرانا“ ہمارے علم کی حد تک ایسا لفظ نہیں
جسے ادبی تحریریوں میں استعمال کیا جائے۔

”ذتنیم کے آنسوان کی آنکھوں میں نبی پیدا کرستے
ہیں نہ بیواؤں کی آبیں ان کے دلوں کی پیش
بجھا سکتی ہیں نہ مظلوموں کی آہ دزاری ان کے
دلوں میں عبرت کی ہر دوڑاتی ہے نہ ضعیفوں
کی بیماری ان کے ہلک ارادوں کو تبدیل
کر سکتی ہے۔“ (صل ۱۰ راہکے دھیں)
ضیف سا بھاؤں اس جیسا ہے کہ ”ذنم کو واحد

نیظر شانی کر کے دور کر دیتے تو اس بھجوئے کی تدرید
قیمت طریح جاتی۔

کتابت کی غلطیاں تو خیر خط لفظ دیر میں شکری
جاتی ہے کہ اور طایہت کم ہیں۔ مگر ہم ضرور
خانی کمرہ تو یا اس کے انتظار ہیں ہی تھی۔ ۱۹۶۱

صفحی عہدا پر کتاب کے سروے سے ایڈٹریوڈر و نزیر
کام کا المراس طرح خلط ملٹ پاؤ ہے کہ جو چھڑو زیر صادر
تھے فرمایا تھا وہ ایڈٹریوڈر کے فرمودے ہیں تباہ ہوئیا
ہے (ستھرہ تا ۱۲) یہ سہی کتابت لفڑا اندر از نہیں ہو سکتا
فھا کو حصائی صاحب پوری وجہ سے تصویح کرتے۔

چاند کا سلسلہ صدقیم مضمونیں پرستیل ہونے کے
باوجود اسلامی ادب کی لا اپریوری میں ایک ثقہ اضافہ
ہے۔ صحفہ، نامشہ اور مژہبیں رب پرستی ہوں۔

اسلام، سو شلزم اور اسلامی سو شلزم

- از۔ السعد گیلانی۔ نامشہ۔ ادارہ ادب اسلامی۔
- سرگودھا ریک۔ صفحات ۵۲۔ قیمت یا اس پیسے
لکھائی چھپائی کاغذ بس ٹھیک ہی سمجھیے۔

یہ صحفہ کی ایک تقریر ہے جسے انھیوں نے مضمون
کی صورت میں مرتب فرمایا ہے۔ صہرا و شام جیسے مارک
میں تر اسلامی سو شلزم کا لغڑا اپنے مطابر پر اصل طریکے
قربی قریب نہیں تک جا ہے۔ داد دیجئے یا غصہ سمجھئے
یہ مارک بہر حال سو شلزم کی سیڑھی لگا کر اسلام کی ان
بلند بیوی پرستی خیچ چکے ہیں جہاں کوئی کام بخشن ہے اور
شراب کا نام آپ نہیں۔ مگر پاکستان ابھی بہت بچھے
ہے۔ زور تو وہ بھی کافی مار رہا ہے اور تمار، برل، تھاشی
اور سو شی جیسی چیزوں کو اسلامی بنانے کی بے بناہ
سو شزم اس کے عشرت اسلام کا منہ بولتا ثبوت ہے لیکن
مشیت ایزدی کو کیا سمجھے کہ درڑے الٹکانے والے ابھی
مرے ہیں اور ایمان و انسانیت کی جنگ۔ ابھی ٹھنڈی

پھر پرے جملے کی ساخت اور سیاست خاصی دیرضم ہے۔
اسی مضمون میں ایک کالم ہے:-

”تجھہا ہی رہے تھے کہ کرے کی جن اٹھی اور ایک
بڑی اسی کمرے میں داخل ہوا۔“

”جہاں تو کے ایڈٹریوڈر ہے ہیں۔“ اس نے کہا۔

چیڑا اسی کے جملے سے پہلے یا تو سو ایک لفڑا کیسا۔“ کام
اعنا فہوتا یا پھر اس نے کہا کہ اس کے عوض اس نے دریافت کیا
یا تو چھا کھا جاتا۔ ان میں سے کچھ بھی نہیں تھا تو کم سے کم سو ایک
شان (۹۰) تر دے ہی دینا تھا۔ بحالت موجودہ نظرہ
اطلاع بن گیا ہے سوال نہیں عالمکہ یہ اپنے محل میں سوال ہے
اطلاع نہیں۔

”حالانکہ آپ ہی سب سے بہتر پوزش میں تھے کہ ملک
بھر کی جماعتوں کو قریب تر سے دیکھ کر ان سے متعلق
ضمح تمدن اندازہ لگا سکیں۔“ (۱۳)

لئنک بتاتی ہے کہ ”قریب تر سے دیکھ کر“ کتابت کی
غلطی نہیں ہے۔ تو کیا ”قریب تر“ کا استعمال اس انداز
میں صرف آج بھی درست سمجھتے ہیں؟

”ایک ملک کی وزارت داخلہ ملک کی ایک

عورت کے خلاف سوچے جانے والے خیالات

پر احتساب کرنے کے لئے...“ (۱۴)

”خیال سوچنا“ مشکل ہی اس سے گوارا کیا جا سکتا ہے۔

”پوں بے دست و باتفاقی۔ پھیول اور لار اور
طرے حرم زرب گلو تھے۔“ (۱۵)

”حروم زرب گلو“ صحی اعتبر سے غلط ہے بہت
کوئی شش کی جائے تو ”حروم زربیاٹش گلو“ کہہ کر خو کی جو لاج
رکھی جا سکتی ہے مگر ہوگی یہ بھی زبردستی ہی۔ کوئی مضائقہ
نہ تھا اگر سادہ الفاظ میں یوں کہدیا جاتا۔

”پھیول“ ہار اور طرے سب بلے صرف ہو کر رہ
گئے تھے۔

مقصود حرف گیری نہیں۔ یہ کچھ نہیں نہیں
اس لئے پیش کئے کہ ایسی جزوی مساحتیں کو الگ صرف

عقیدت و محبت ان کی خلیل و ذہن سے ایک دن کو کم نہیں ہوئی۔ اس عقیدت و محبت کا گہر اعلان ان کے علم و فضل اور بصیرت و تجھر سے تو ہے ہی مگر مبیناً دی تلقن اُس اخلاقی درستادی اور ایمان و دیانت سے ہے جس کی خوشگوار جھلکیاں ان کی تمام ہی تحریر ویں میں کثرت سے ملتی ہیں۔

آج کی مشہور ترین اور قبولی تفسیر قسم القرآن ہے مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس تفسیر نے مزید تفسیروں کا ارتقاء ہی بنت کر دیا۔ اسالیب کی رنگارنگی اور پوچلوںی خشم سہونے والی شے نہیں۔ مولانا داریابادی کا انداز بگاؤش اپنا الگ لطف رکھتا ہے۔ وہ صاحب طرز بھی ہیں اور اپنے اسلوب میں منفرد بھی۔ پھر مواد انھوں نے اپنی تفسیر میں خس کاوش، عرق رینہی اور جہد و مشقت سے جمع کیا ہے وہ اپنی مثال آپے۔

ویسے یہ جلد فوتوالیف نہیں ہے۔ عرصہ ہوا یہ یور طبع سے آراستہ ہوئی تھی لیکن امت راذماں کا شکار ہو گئی۔ پھر فضل مفسر نے اس طبع اول پر نظرناہی کی۔ ترجیح و تفسیر دونوں میں اضافوں اور ترمیموں کی ثبوت آئی اور اب یہ ایک دلنش مجدد کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ اس میں آں عربان اپنی آخری آیت تک پوری ہوئی ہے۔ کتابت کی شکل یہ ہے کہ اوپر آیات۔ آیات کے میں اسطور میں ترجیح اور نیچے تفسیر۔ کاش کتابت کا کچھ اور ہتھ انظام ہوا ہوتا۔ متن کے قلم مخالف ہیں۔ کوئی باریک کوئی موٹا۔ پھر کہیں تو ترجیح و متن کے درمیان لاٹنیں ہیں اور کہیں لاٹن غائب۔ آیات کے نمبر بھی کہیں غلط ہو گئے ہیں۔ آیت نمبر ۲۳۲ کے بعد ۳۲۵ ہے۔ اور پھر ۲۵ تک سیکڑے کی بھی غلطی متعدد ہو گئی ہے۔ گویا ہر کے عرض ۳ کا ہندسہ لکھا گیا۔

افتتاحیہ اس تفسیر کا بہت شاندار پھر۔ حضرت مفسر نے اپنے دلنش انداز میں ان دشواریوں کا کچھ اندازہ قارئین کو کرایا ہے جن سے کسی بھی فخر اور مترجم کو

نہیں ہوئی۔ گوں جانے اونٹ کس کل بیٹھے۔ لاٹھی تو یہاں ہاں سب حکم جاپ عزادیں ہی کے ہاتھ میں ہے۔ یہ بات الگ ہے کہ کوئی پیٹھی ہی اتنی مضبوط ثابت ہو جائے کہ لاٹھی ہی توڑ دے۔ یہ تو ایسا سمات کم ہے مگر ہوتا ضرور ہے۔ تاریخ نے وہ لوگ بھی دیکھے ہیں جن کی گرد نوں نے تلواروں کی دھاریں موڑ دیں اور جن کے سینوں نے نیزوں کے چھل دھیرے کر دیتے۔

"اسلامی سو شلزم" کے تضخیل خیز۔ مگر سی شرائیز نفرے پر حلم و حقیقت کے روح سے بہت پچھ کہا جا چکا ہے۔ ابھی چراغ راہ والوں نے تو ایک ضخیم نمبر نکال کر حق ہی ادا کر دیا۔ لیکن ضرورت تھی کہ عام رہنمائی کے لئے ایک تھوڑر مگر جامع اور سلیس و عام فہم کتنا بچھے بھی اس مضمون پر ہوتا اور اس ضرورت کو اسعاد گیلانی نے باحسن و جوڑ پورا کر دیا ہے۔ بہت سختے افراز میں وہ اسلام اور سو شلزم کو آمنے سامنے رکھ کر ان کے منضاد متصاد ہلکوں کی نشان دہی کرتے ہیں اور آخر کار یہ ضاحت کرنے میں کامیاب ہوئی جاتے ہیں کہ "اسلامی سو شلزم" کی اصطلاح ایک فری میں کے سوا کچھ نہیں۔ کاش کتابت و طباعت کا معیار کچھ اور بہتر ہوتا۔

فسیر واحدی (جلد اول)

- از: - مولانا عبد الماحمد دریابادی
- ناشر: - صدقہ جدید ناگ ایجنسی۔ پچھری روڈ۔
- حجم: سائز غالباً ۲۹×۲۲ سم۔ صفحات ۲۹۔ کاغذ
- قیمت: کتابت و طباعت خوشگوار ۴۔ یہ مجلہ اطہارہ پر

الش تعالیٰ کو لانا دریابادی کا نظر ہیابوئی ہمارے روں پر تادیر قائم رکھے وہ افقتم سیکیوں میں سے یہ جن کی مثالیں آج کے دور نامسعود دیں کم ملتی ہیں۔ سبق قریب میں شاید کم بھی نہ ملیں۔ مولانا کی شان اس نالائق تبصرہ نکار نے بارہ آگتا خیاں کی میں مگر

یہ تم نے پورا پیر انفل کر دیا۔ ہمارا اخال ہے کہ ”نتیجیں کرے“ یہاں درست نہیں بلکہ بصیرتِ جہوں ”متغیر کیا جاتے“ لکھنا چاہئے تھا۔ حب فاعل پورے جملے میں کہیں ہے ہی نہیں تو فعل معروف نہ یونکرہ مناسب ہو گا جس کے لئے فاعل کا ذکر ضروری ہے۔ دوسری مثال۔

”قرآن مجید نے متعدد خبر و مہوں کا ذکر کشہر سے کیا ہے۔ بھی ان کے حال سے سبق یعنی کوادر بھی اپنے خاطبین پر حوت قائم کرنے کو۔ ان کے عقائد اور ان کے اعمال کو جا بجا صراحت سے بیان کیا ہے اور ان کی ثیمیات کو کثرت سے لایا ہے۔“ ص۲

یہاں بھی ہمیں حضرت مفسر کی اعلیٰ ترسیں قبلے فحش میں ہلکا سا جھوول جھویں ہوا۔ یہ جھوول اس فقرے میں ہے جس پر ہم نے خط ٹھیکیا ہے۔ اور کا پورا جملہ تین فعیلیں فقتوں سے مرکب ہے۔ فاعل ہے قرآن مجید۔ لیکن اس فاعل کے ساتھ لفظ ”نے“ بھی موجود ہے۔ یہ لفظ پہلے اور دوسرے فقرے کے لئے تو مزیدوں ہے ملکہ سیرے کے لئے زامیزوں پر نہیں کہا جا سکتا ہے۔

”قرآن مجید نے ان کی ثیمیات کو کثرت سے لایا۔“ حالانکہ حب تیرے فقرے میں کوئی ضمیر نہیں ہے تو رواج لسانی کے مطابق فاعل مع علامت فاعلی لوٹے گا۔ ضمیر کا اضافہ کر کے یوں کہہ دیا جانا تو یہ خفیف سی شکن نکل جاتی۔

”اور وہ ان کی ثیمیات کو کثرت سے لایا ہے۔“

ضمیر مذکور ہو جائے تو فاعل بلا علامت لوٹا کرنا ہے۔ اس طرح عبارت دراصل یوں بن جائے گی۔

”اور قرآن مجید ان کی ثیمیات کو کثرت سے لایا۔“

پتہ نہیں یہ حرف گیری ہماری کم فہمی کا نتیجہ ہے یا واقعیت پکھ اعلیٰ کی تحقیق ہے۔

”صفحہ“ پر ”دیگر دھیران“ استعمال ہوا ہے۔

— جناب آمیر القادری مدیر فاران ایسے عطف پر بہت

گذرا ٹھرتا ہے۔ پھر ان کتابوں کی فہرست دی ہے جن سے اس تفسیر کے سلسلے میں استفادہ کیا گیا۔ یہ فہرست مختلف فنون کے الگ الگ عنوانوں پر مشتمل ہے۔ اس فہرست سے تجویزی اندازہ ہوتا ہے کہ مددح نے کس قدر دیدہ ریفری اور محنت کی ہے۔

ایک ذرا سی بات اس موقع پر ہم کہنا چاہیں گے۔ جن اور دو تفاسیر کو مددح نے پیش نظر رکھا ہے وہ فہرست کے مطابق ۹۶ ہیں۔ ان کا تباہی نہ ہونا یہ ہے۔

(۱) بیان القرآن (۱۲ جلدیوں میں) از اشرف علی تھانوی
دف ۳۰۰۰

(۲) تفہیم الفتن آن (۵ جلدیوں میں) از الجزا علی مودودی
(صرف پہلی چار دستیاب ہوئیں)

(۸) حرامی شیری (بہر حاشیہ ترجیحہ شیخ الحنفی) از شبیر حمد
عثمانی دیوبندی۔

گویا اصحاب تفسیر کے نام کسی تہذیبی رکھ رکھاوے کے بغیر کوئے دیئے گئے، یہ کچھ جھا نہیں۔ پھر تسامح یہ ہوا ہے کہ ایک نام اس فہرست میں لباس سمیت بھی آگیا۔ یعنی مولانا ابوالکلام آزاد۔ یہ لقیناً سہ ہو ہے ورنہ کسے مکن تھا کہ اپنے شیخ حکیم الامرت مولانا اشرف علی تک کو تو مددح کو را رکھتے اور ابوالکلام کے لئے لباس کا التزمگتے اقتاحمہ میں بعض عبارتیں ایسی بھی نظر آئیں کہ اگر ان میں کتابت و تصحیح کی چوکت ایں تو حضرت مفسر کی اعلیٰ اور معیاری اشارے مقابلے میں وہ کچھ جھوبلہ اہمیں نہیں۔

اسی طرح اردو میں حال اور مستقبل کے صیغہ مستقر اور الگ الگ ہیں۔ عربی میں دونوں کے لئے ایک ہی میغرضہ اس کا ہے جسے جنسہ اردو میں لئے کی کوئی شکن تھی نہیں۔ اور ترجمہ کے لئے ناگزیر ہے کہ دو میں سے کوئی ایک صیغہ حرب حقہا کے مقام اردو کے لئے معین کرے۔ اسی طرح تنبیہ کو جمع سے ممتاز کرنے کے لئے اردو میں لفظ ”د“ یا ”د نوں“ کی تصریح لازمی ہے۔ (ص۲)

"ہاں چون شخص مجبوری کی حالت میں ہو اور وہ انہیں سے کوئی چرخ کھالے بغیر اس کے کہہ دہ قانون شکنی کا ارادہ رکھتا ہو یا اصرہ ورت کی حد سے تجاوز کرے۔"

مافل مفسر سے شیخ مولانا اشرف علیؒ نے یہ ترجیح کیا ہے:-

"پھر بھی شخص (بھوکے سے بہت بھی) بیتاب ہو جاوے پس طلیکہ نہ طالبِ نہت ہو اور نہ (دوری حاجت سے) تھا تو کرنے والا ہو۔"

گویا دیکھنا فقط باع کے ترجیح کا ہے۔ اس وقت ہم نے دیجگہ اور وہ تمہارے جسم کو سامنے رکھنا ضروری نہیں سمجھا کیونکہ اس سے غیر معقولی طویل ہوتا۔ یہ لفظاً ہر ہے کہ مفہوم د مراد کے اعتبار سے لفظ باع میں کسی بھی ترجم کا کوئی اختلاف نہیں۔ فرق صرف ترجیح کے الفاظ میں واقع ہوا ہے۔ اب یہ بات اپل زبان کے دیکھنے کی ہے کہ "بے حکمِ کرنا" یا جتنا سے قریب تر ہے یاد و سرے الفاظ جو دیگر مترجمین نے استعمال کئے ہیں۔ ہمارے قلیل علم کی حالت کا نافرمانی حکمِ عذر دلی اور قالانِ شکنی کے مفہوم میں ہے حکمِ کرنا اور ذرمت میں نہ شامل نہیں ہے۔ ویسے بعض الفاظ اور بھی کہیں کہیں ایسے لفڑا تھے جن سے ماصل مفسر کی الفراہیت نہیں ہوئی ہوئی ہے۔ جیسے صاحبِ زور و قوت کے معنی میں لفظ "نہہ توانی" ہے۔

یہ مثال لفظی تفسیر کی تھی۔ الفردیتِ معنوی کی ایک مثال یہ ہے کہ فَإِذَا تضيّثُهُمْ هَنَا سِكَّكُمْ کا ترجمہ مولانا دریا بادی نے یہ کیا:-

"پھر جب تم اپنے مناسکِ ادا کر رہے ہو۔"

اور اس پر تفسیری نوٹ یہ دیا ہے:-

"إِذَا كَأْتَ لفظتَهُ دَهْوَكَةً يَهْوَكَهُ بِهَانِ حُكْمٍ ادْعَى مَنْ اسَكَكَ بَعْدَ كَمْ لَمَّا مَلَ رَاهَ ہے۔ اِذَا ہمیشہ بعد کے لئے نہیں آتا ہے ہر مانی کے مو قع پر بھی قرآن مجید میں آیا ہے۔ مثلاً فاذَا

خفا ہوتے ہیں۔ پتہ نہیں کہیجی روائی یہ یا ناروا۔! کتابت کی غلطی سے اقتا جیسے بھی خالی نہیں صفحوں پر عصیۃ کی باؤ کوڈ نقطوں سے یا بنا دیا گیلے ہے صفحوں پر غالبہ مصر ہے۔

سفیدہ جب کرنا کے پہ آنکھ غالب سے "کہ" اڑ گیا اور صرعد وزن سے گر گیا۔

کتابت بھی غلطیاں آگئی بھی نظر آتیں۔ جیسے صفحہ ۹۷ پر صادہ یصیدہ۔ گویا صاصاہ کی سارا دال میں تبدیل ہو گئی۔

ایک سہو ایسا ہے جسے ہم نہیں کہہ سکتے کہ حضرت مفسر کا ہے یا حباب خوش نویں کا۔ آل عمران کی آخری آیت یا آتھا اللذين امنوا صبروا و صابروا اور الظوا و القوا اللهم تعلّمْ تفلحُونَ ہ میں کوئی اعراب دینے سے رہ گئے۔ یہ تو خیر کتابت ہی کا سہو ہے مگر ترجیح میں لفظ رابطوا کا ترجیح نظر نہیں آیا۔

"اے ایمان دالو (خود) صبر کرو اور مقابلے میں صبر کرتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو عجب نہیں جو فلاح پا جاؤ۔" (صفحہ ۶۹)

اس ترجیح کی رو سے قرآن کا لفظ رابطوا بظاہر نہ وائیں داخیل ہو جاتا ہے۔ غالباً حضرت مفسر نے خیالی میں اس کا ترجیح چھوڑ گئے ورنہ تفسیر میں تراس لفظ لیلے اکھیوں نے پوری نو تصویری سطریں دی ہیں۔

کہیں کہیں ترجیح یہیں الیبی بھی القراءۃ نظر آئی جسے خوشگواری خوشگوار کہنا ہمیں اپنی سماطی سے باہر نظر آتا ہے۔ جیسے فہمِ اضطرُّ عَذَّبَ بَايْ وَ لَا عَادَ کا ترجیح ہے۔

"جو شخص مضطرب ہو جاتے اور نہ بے حکم کر نہ الہ ہو اور نہ حد سے نکلتے والا ہو۔"

حضرت شیخ البہنؒ اس کا ترجیح یوں کرتے ہیں:-

"پھر جو کوئی بے اختیار ہو جائے نہ تو نافرمانی کرے اور نہ زیادتی۔"

مولانا مودودی کا ترجمہ یہ ہے:-

ہے۔ یعنی اہل عرب زمانہ مکفر میں حج سے فراغت پا کر بازار لگاتے، جلسوں کرتے اور ان میں خوب شخماں بھاگتے اور اپنے بابِ دادوں کی عظمت و فضیلت کے گن گاتے تھے۔ تشریف ان نے اہل ایمان کو تنہیہ کی کہ خبر دار تم ان کے لفظ قم پرست جلتا بلکہ تحریک سے فراغت کے بعد بھی خدا کو پادر گھستا یعنی احکامِ مشریعت کا اتباع کرتے رہیں تھا اس تشویہ ہونا چاہیتے۔ پھر تم نہیں سمجھ سکے کہ فاضل مفسر نے کیوں اپنے اختیار کردہ ترجیح پر اپنے ثوہن کا انہار کیا کہ ————— اپنے مرشد تک کے ترجیح کو فریب خوردگی کے ذمہ میں رکھ دیا۔ اس ہی وہ دلیل چو جمادوح نے مشقولہ بالا تفسیری نوٹ میں دی ہے تو وہ بھی بجا تے خود ایک دعویٰ ہے جو اس کی تردید بخود مولانا تھانویؒ کے ترجیح اور تفسیر دنوں سے پوری ہے۔ یہ آیت جسے تفسیری نوٹ میں بطور استدلال لایا گیا ہے۔ فاذا قضیتم الصلوٰۃ سورة نساء کی آیت ہے۔ اس میں ذکر ہیں میدان جہناد کی نماز کا ہو رہا ہے مفسر جمادوح نے نہ جانے کیسے یہ بات جنم کے ساتھ لکھدی کہ اس کے معنی ہیں کہ جب تم نماز پڑھتے ہو۔ اور پھر طور تاکید بر یکیٹ میں دوسرے معنی کی قطعی تردید بھی کر دی۔ حالانکہ مولانا تھانویؒ نے جس یہ فرماتے ہیں : —

”پھر جب تم اس نمازو کو ادا کر جکہ تو اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگ جاؤ کھڑے بھی اور یہ بھی اور یہ بھی۔“

اور یہ نہیں کہ ”ادا کر جکو“ حضن نقطی ترجیح کی مناسبت سے کہا گیا بلکہ مقصود و مدعا بھی مولانا تھانویؒ نے اپنی تشریح میں یہی بیان فرمایا : —

”یعنی ہر حالت میں حتیٰ کہ میں قتال کے وقت بھی دل سے بھی اور احکام کے اتباع سے بھی کہ وہ بھی ذکر ہے۔ چنانچہ قتال میں خلاف شریع کوئی کارروائی تکرنا ماجائز ہے۔ فرض نماز“

قضیتم الصلوٰۃ فاذا کرووا اللہ تعالیٰ ما وقوعہ جو ہے جہاں اس کے معنی ہیں کہ جب تم نماز پڑھتے ہو (ذیہ کہ جب تم نماز پڑھتے کہ جو ہے) اسی طرح ہیاں بھی معنی یہ ہیں کہ جب تم ادا کے مناسک کر رہے ہو۔“

عجیب سی بات معلوم ہے کہ مختلف تفسیری روایات نے توسعہ النظری کے ساتھ اپنی تفسیر کا جزو بنانے والے فاضل مفسر ہیاں ایک ایسا اندازِ حکیم اختیار کر گئے جو ان کے اسلوبِ تختار کے بھی خلاف ہے اور عاماً اختیارات کے بھی۔ اجھے حکم کو ادا کے مناسک کے بعد پر تھوڑی کرنے اور بھر خوردگی ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ ترجیح فاضل مفسر کے مرشد مولانا تھانویؒ نے بھی کھایا اور حضرت شیخ المہمنؒ نے بھی۔ اور مولانا مودودی بھی اس سے نزدیک سکے۔

مولانا تھانویؒ کا ترجمہ یہ ہے : —

”پھر جب تم اپنے اعمالِ تحریک پورے کر جکو۔“

حضرت شیخ المہمنؒ کا ترجمہ یہ ہے : —

”پھر جب پورے کر جکو اپنے حج سے حکام کو۔“

مولانا مودودی کا ترجمہ یہ ہے : —

”پھر جب اپنے حج کے ارکان کو ادا کر جکو۔“

گویا یہ تینوں ہی شہرہ آفاقِ متزلجینِ حکم کو مناسک کے بعد پر تھوڑی کرنے کا دھوکا کھار ہے ہیں اور جہاں تک تفسیر کا تعلق ہے مولانا شبیر حجاج عثمانیؒ نے رقم فرمایا : —

”یعنی دسویں ذی الحجه کو جب افعالِ حج رحمی جہرہ اور ذبح قتلہ بانی اور سرمنڈ انسے اور طوف کعبہ اور سعی صفا مروہ سے فراخت پا جکو۔“

پھر اس حکم کی وجہ بھی مولانا شبیر رحمد نے ایسی ہی بیان کی جس کا تعلق تیراخت سے ہے۔ اور کسی وہ مولانا مودودی نے بھی فہیم القرآن میں خالہ قسم کی

جب مجاہدین حرب و ضرب اور اقدام و ہجوم میں مشغول ہوں۔ یاد و سرے کا مولیٰ میں تک جائیں۔

خود اگلی آیت اسی مفہوم کے لئے تقریباً ناطق ہے۔ فَإِذَا أَطْهَمْنَا شَمَّ فَأَقْبِلُمُوا الصَّلَاةَ (پھر خوف جانشی سے تو نماز قائم کرو) اگر فضل مفسر کے خیال کے مطابق مندرجہ قیام و قعود نمازوں والا ہو تو یہ اگلی آیت بے صرف ہدیہ کر رہی تھی ہے۔ نہ فاسط تعقیب کا کوئی مطلب بتاتا ہے نہ قیام الصلوٰۃ کا کوئی مدلول ہوتا ہے کیونکہ قبل کی مفصل آیت کا ذکر امداد اگر نماز ہی والاذکر اللہ ہو تو فاسط تعقیب کے مطابق مزید اقسام الصلوٰۃ کہنا کوئی مطلب نہیں رہتا۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہتفسیری نوٹ میں خود فضل مفسر نے قضائے معنی:-

”سکی عبادت کے ادا کر چکے یا بجا لانے کے لکھے ہیں۔ قرطی اور جہاص کے الفاظ بھی اسی کی نمائیں میں لفڑی ہیں۔ حالانکہ جو ترجیح انہوں نے فرمایا اس کا تو تقاضا تھا کہ حوالے ایسے سپرد قائم فرماتے جن سے ثابت ہوتا کہ قضائے معنی صرف ادا کر چکنے کے نہیں آتے بلکہ ادا کرنے کے بھی آتے ہیں اور یہاں خلاف فضل مفسر نے بھی معنی لئے ہیں۔

ہمارا خیال ہے یہاں فضل مفسر نے تعمیک کی کمی خاص رد میں بہہ کہ بھول جو کاشکار ہو چکے ہیں۔ عین تکن ہے مفسرین سلف و خلف میں کچھ نہ وہ مفہوم و معنی بھی نہیں کہ چوہ موصوف نئے مگر انہیں ایسی قطعیت کے ساتھ پیش کرنا ظاہر ہے کہ تقاضائے اختیارات سے تم آہنگ نہیں ہے جبکہ ان کے شیخ حکیم الامم مولانا اشرف علیؒ تک ان مفہوم و معنی سے اتفاق نہیں رکھتے۔

آیت قمن کا متن مذکور مریضنا اور علی سفارش فعدۃ من میں آیا۔ امّا مراکھ کی تفسیر میں دو باتیں تبیں نظر محسوس ہوئیں۔ ایک یہ کہ فضل مفسر کی رائے میں تضاد کا احساس ہوتا ہے۔ پہلے انہوں نے فرمایا:-

”حدیث بنوی سے ترجیح حالت سفر میں افطار

تو نعمت ہوئی۔ ذکر نعمت نہیں ہوتا۔ نماز میں تو تخفیف ہو گئی تھی لیکن یہ بحال ہے۔“ (دیان القرآن)

جن الفاظ پر ہم نے خط محبخ دیا وہ یہ واضح کرنے میں بالکل صرعی ہیں کہ آیت کے جس ترجیح کے کوہولانادریاں جرم کے ساتھ نادرست بتاتے ہیں اسی کو مولانا تھا انہیں جرم و وثوق کے ساتھ درست کہہ رہے ہیں۔

حضرت شیخ الحنفی نے تمہرے نامہ پر جواب مارا:-

”پھر جب تم نے اپر ٹھہ چکر تو یاد کرو اللہ گو کھڑے اور سیٹے اور لیٹے۔“

مولانا شیرا حمد نے تفسیر یہ کی:-

”یعنی خوز کے وقت بدھ شنگی اور بے اطمینانی اگر نماز میں کسی طرح کی کوتا ہی ہو گئی تو نماز خوف

سے فراغت کے بعد ہر وقت اور ہر حالت میں کھڑے ہو یا سیٹھے یا لیٹھے اللہ گو یاد کرو۔ سیٹی کر میں، ہجوم اور مقابلہ کے وقت بھی کیونکہ وقت کی تعینی اور دیگر تقویڈ کی پابندی تو بحال نماز خوف کی وجہ سے تشنگی اور بے اطمینانی پیش آتے کامو قع ہے۔ اس کے سوا ہر حالت میں بلا وقت اللہ گو یاد کر سکتے ہو کسی حالت میں اس کی یاد سے غافل نہ رہو۔“

مولانا محمودی نے یوں ترجیح کیا:-

”پھر جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو کھڑے اور سیٹھے اور لیٹھے ہر حال میں اللہ گو یاد کر رہے۔“

گویا مولانا یادی تو رس آیت میں اسے ہوئے الفاظ قیام و قعود کا مطلب دوران صلوٰۃ کا قیام و قعود کے رہے ہیں اور اس شروع مدارے لے رہے ہیں کہ اسے بطور امر مسلم سورہ بقرہ والی آیت کے ترجیح پر دلیل بنا رہے ہیں۔ مگر مولانا تھانویؒ، مولانا شیرا حمد، حضرت شیخ الحنفی اور مولانا محمودی بلا تأمل اور اذ عان کے ساتھ یہ واضح کر رہے ہیں کہ یہ قیام و قعود نمازوں والا قیام و قعود نہیں ہے بلکہ اس سے مراد فراغت صلوٰۃ کے بعد کی وہ حالت ہے

ہی کی معلوم ہوتی ہے۔“

پھر اس ترجیح کے ثبوت میں تین ایسی روایات بیان کرنے کے بعد جن سے حضن ترجیح ہی نہیں نکلتی بلکہ صراحتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا اعلیٰ عبادت اور کامیابیت ہے معاشر میں ہے:-

”یہ حیثیت عمومی مسافر کے لئے بھی مرفق ہی کی طرح حکم شریعت یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر بلاز حجت معتبر ہے مگر ہو تو روزہ رکھے ہی لیا جائے۔ اگر ز حجت و قلب مقدمہ ہو تو قضا کر دینا جائز ہے۔“

پہلی رائے کے برخلاف اس سے ظاہر ہوا کہ ترجیح حالت سفر میں افطار کی نہیں روزہ رکھنے کی ہے اور نہ رکھنے کا جواز فقط اس صورت میں ہے کہ ز حجت و تعقب کافی ہو۔ دوسرے لفظوں میں اس عبارت کا مفہوم یہ بھی نکل سکتا ہے کہ اگر آسانی اور آرام میسر ہو تو سفر میں بھی روزہ قضا کرنا جائز نہیں ہے۔ اس مفہوم کو اگر فاضل فضولیوں نہ کریں تو بھی یہ تعلیم بات ہے کہ اس عبارت سے افطار کی ترجیح نہیں نکلنی مر جو حجت نکلتی ہے۔ اب خیر نہیں موصوف کی اصل رائے لکھا ہے۔ آیا سفر میں افطار کو ترجیح دیتے ہیں یا روزے کو۔

دوسری بات کھٹکی کہ تذکرہ تو موصوف نے حالت سفر میں روزہ رکھنے کے فضل ہونے اور نہ ہونے کی دلنوں اور ارکائیا اور یہاں تک تفصیل دی کہ فلاں فلاں امسہ اور صحابہ افضلیت حبوم کی طرف کے ہیں اور فلاں فلاں ائمہ و صحابہ افضلیت افطار کی طرف۔ لیکن جو تین احادیث نقل کیں وہ صرف ایسی ہیں جن سے تھات سفر میں روزہ رکھنا شدید مذکور اور عبادت اور گناہ ثابت ہوتا ہے۔ ایسی ایک بھی نہیں نقل کی جو روزہ رکھنے کی افضلیت پر تو کیا اباحت ہی پڑلات کرتی۔ حالانکہ یا تو یہ احادیث نقل نہ کی جائیں اور صرف

اختلاف آراء کے ذکر پر اتفاق کر لیا جاتا اور یا چھر دلنوں ہی آراء کی ترجیحی اور نامندگی کی بنیادی احادیث نقل کی جاتیں تاکہ کوئی بھی قاری اس غلط ہمی بلکہ سو نہیں بتلا نہ ہوتا کہ صرف ایک رائے احادیث پر مشتمل ہے اور دوسری رائے کے حق میں کوئی حدیث نہیں بلکہ وہ بعض ائمہ اور صحابہؓ سے اپنے قیاس سے گھٹ لی ہے اور قیاس بھی ایسا جو احادیث سے صریح طور پر متصاد ہے! خصوصاً جب فاضل مفسر یہ رائے نہیں رکھتے کہ حالت سفر میں روزہ رکھنا گناہ ہے خواہ ہر طرح کا آرم ہی بیرون ہو تو ان روایات کی نقل زیادہ ضروری بھی جن سے موصوف کے سلک و موقوف کی تقوییب ہوتی مگر انہوں نے فقط وہ روایات نقل کر دی ہیں جن سے وثوق اور قطعیت کے ساتھ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سفر میں روزہ پر گناہ نہیں رکھنا چاہتے چاہے آسانی اور آرام و راحت کا پورا سامان موجود ہو۔ مجرد ان روایات کی روشنی میں کوئی بھی قاری یہ باور نہیں کر سکتا کہ حالت سفر میں روزہ رکھنے کی بحث افضل اور فضول یا راجح اور مر جو رح کی بحث ہے نہ وہ اس رائے کی معقولیت کا درآمد کر سکتا ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا افضل ہے۔ پھر یہ جو موصوف لکھتے ہیں کہ:-

”اور اگر نوبت ہلاکت ہی کی آئی جا رہی ہے

تُرک صوم واجب ہو جائے گا۔“

اس کا تعلق حالت سفر سے کہاں ہوا۔ نوبت ہلاکت کی آئی ہی ہو تو حالت سفر میں بھی ترک صوم واجب ہے۔ نہ کہ صرف حالت سفر میں۔ عاجز تبصرہ نگار کا خیال ہے کہ طبع اول کی نظر ثانی میں عرق ریز دماغ سوزی کرنے کے باوجود حضرت مفسر کے قابل رشک قدر ذہنی کو اپنی پوری کارفرمائی کا موقع نہیں مل سکا ہے وہ نہ ان کی ترک نکالا ہی ایسی سلوٹیں کہاں چھوڑتی۔ اس کالم کی تند امامی کے باعث ہم ایسے تمام مقامات کی نشانہی نہیں کر سکتے جو ابھی حضرت مفسروں کی نگاہ

مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند کی مطبوعات بہت ہیں۔ ایک سے ایک بہتر اور سفید۔ سب سے بڑی سعادت جو اس کے حصے میں آتی ہے وہ تفہیم القرآن کی اشاعت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس اشاعتی ادارے کو مزید ترقی اور خدمت دین و ملت کی مزید توفیق اور وسائل عطا فرمائے۔

یہ پیش نظر کتاب اس اشاعت گاہ کی نفی طبیعت میں ایک قیمتی اضافہ کرتے۔ فاضل مولفے قرآن و حدیث سے تمام وہ ادب زندگی اور معقولات نہایت شدگی کے ساتھ جمع کر دیتے ہیں جن کی احتیاج سے کوئی بھی مسلمان مستغفی نہیں۔ کتاب کی جامعیت اور ہمہ حقیقت افادیت کا اندازہ الاباب کی اس فہرست سے یجھے۔

- باب اول: سلیقه و تہذیب • باب دوم: جس بندگی • باب سوم: تزہیہ معاشرت • باب چھارم: دعوت دین • باب پنجم: احسان و غدریت۔

ان الاباب کے تحت ذیلی عنوانات دے کر زندگی اور اس کے شب و روز کی ہر ضرورت کا احاطہ کرنے کی سعی پشتکوئی کی گئی ہے۔ مثلاً سلیقه و تہذیب کے باب اول میں یہ نصیلیں ہیں:

- ① طہارت و نظافت کے آداب ② محنت کے آداب ③ ناس کے آداب ④ کھانے پینے کے آداب ⑤ سونے جانگنے کے آداب ⑥ راستے کے آداب۔ ⑦ سفر کے آداب ⑧ رنج و عنم کے آداب ⑨ خوف و ہراس کے آداب ⑩ خوشی کے آداب۔

ان تمام فصولوں میں فاضل مولف نے جو کچھ لکھا ہے احادیث کے خواہیں سے لکھا ہے۔ اور اس طرح یہ کتاب ان تمام اہل ایمان کیلئے بھروسے اور اعتماد کی چیز بن گئی ہے جو اس حقیقت پر ایمان رکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فرمودہ حق ہے اور جو اخلاق و آداب اپنے تلقین کئے ہیں وہی

ثالث کے محتاج ہیں۔ لیکن یہ خیال ہر گز نکایا جائے کہ اس طرح کی مباحثتیں اس جلیل الفتوح و تفسیر کے پاسے کو کم کرنے والی ہیں۔ ہرگز نہیں۔ اپنی گوناگوں خوبیوں کے باعث یہ ایک شاندار کار نامہ ہے جس پر بجا طور پر خرا کیا جا سکتا ہے۔ خاص خوبی اس کی یہ ہے کہ سلف کی اکثر مشہور تفسیروں کی نتیجہ عبارتیں قاری کے سامنے آجائی ہیں جن سے اس کا پایۂ استناد اور درجۂ اعتماد بڑھ گیا ہے۔ علاوہ ازیں مناسب ہواقع پر انگریزی لٹریچر سے بھی استفادہ کیا گیا ہے اور انجیل و تورات کے قتباسات سے توہہت ہی مفید کام لیا گیا ہے۔ حاکی جگہ تفسیری نوٹوں پر تفسیر کے قلبی سوز و گاز اور طبعی رفت و رافت نے بڑی شنس اور رعنائی پیدا کر دی ہے۔ بے شمار عبارتیں آپ کو شریں دھلی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ آیات قرآنی میں جن مقامات اور اقوام اور اسماں کا تذکرہ ہے ان پر بھی تفسیر کا فی ذیجه صرف کی ہے جس سے جزا فی اور تابعی کے گوشے روشنی میں آتے ہیں۔

محترم مفسر عمر کی جسم منزل میں ہیں اسے دیکھتے ہوئے تو اس جلد اول یہی کا اس اہتمام سے چھپ جانا چرتاگ ہے چہ جائیکہ باقی جلدوں کی بھی توقع رکھی جائے۔ مگر اللہ کو سب قدرت ہے۔ ہر حال میں دعا اور تمنا تو یہی ہے کہ قرآن کی یہ خدمت ان کے لئے بہترین توشہ آخرت ثابت ہو اور باقی جلدیں بھی از یور طبع سے آرائستہ ہو جائیں۔ و ماذلک علی اللہ باعزیز۔

آداب زندگی

- تالیف: جناب محمد یوسف اصلحی
- شائع کردہ: مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند
ریڈیو صفحات ۱۲۵۔ صیحت مجلہ حجہ روپے۔
- کافذ اچھا سفید۔ لکھائی چھپائی ٹوکارا۔

عوام کے لئے ملکہ خواص سکریٹری بھی تخفہ نادرہ سے کم نہیں۔ لیکن حرف تحسین کے بعد حرف تتفیص بھی ہم بادل ناقوتہ منھ سے نکالیں گے تتفیص کیا یوں کہتے ر� و تاسف کی چند آہیں۔ بڑے احمد مرد ہوتا ہے یہ دیکھ کر کہ ہمارے ملک میں ایک طرف تو عربی کے اچھے کتاب مکیاب ہوتے جا رہے ہیں، دوسری طرف فتحی کا وہ اہتمام نادر ہے جس کے بغیر اچھی خاصی کتابیں منتظر ہی لوئی ہو جاتی ہیں۔ اُردو کی کوئی کتاب آج مشکل ہی سے ایسی ملے گی جس میں عربی کی پچھہ عبارتیں ہوں اور ان میں اغلاط کی بھسر مارنے ہوں۔

ضرورت تھی کہ جماعت اسلامی ہند جسی ذمہ دار جماعت کا ملکہ اس پہلو پر خاص توجہ دیتا اور خصوصیت سے یہ کتاب تو خصوصیں ترین توجہ کے لائق تھی کیونکہ اس کی دعائیں اپنی توفیق قارئین کو یاد کرنی ہیں اور وہ یحیا رے ظاہر ہے کہ میں بہ اسی طرح یاد کرنے گے جس طرح یہ اس کتاب کے صفحات پر نظر آرہی ہیں۔ پھر کتنا نامزد ہو گا کہ وہ غلط سلط از بر کر لیں۔

حالانکہ اس کتاب کی صحیح بہت غیرت ہے اور اغلاط فوج در فوج نہیں مگر اتنی ضرور ہیں کہ کتاب کی تفاسیر مجروح ہو گئی ہے۔ اغلاط کی نوعیت واضح کرنے کے لئے ہم کچھ مثالیں پیش کر سکتے ہیں۔

تفھیم ۱۲۸ پیر افطاری کی دعائیں ثبتت الاجمیع سکونی
با کے ساتھ چھپ گیا حالانکہ ثبتت کی با پرسکون نہیں قیح ہونا چاہیے۔

ص ۱۴۹ پیر و اکمل طعام مسلم اللہ برا سیں طعام رکیم پریش چھپا حالانکہ زیر ہونا چاہیے۔

ص ۲۰۵ پیر۔ سید الاستغفار میں بد شی کی ذوال کا نقطہ فائز ہے اور من شریعہ ماضی نعمت کے مقصد بعد ایک دائرہ اندر لکھا گیا ہے۔ (وَابْيَعْلَمَ)۔ یہاں داؤ نہیں ہونا چاہیے۔

ص ۳۲۴ پیر۔ کمالی اور بزرگی سے بچنے کی دعائیں لفظ کسی بسکون سین جھپ گیا حالانکہ فتح سین (کسلی) ہونا

بہر انسان کی فلاح دین و دنیا کے خامن اور تہذیب و شاستری کا معیار اعلیٰ ہے۔

باب اول ہی کی طرح باقی ابواب بھی مفرد ترین فصلوں پر مشتمل ہیں۔ مسجد اور ساز اور تلاوة اور زکوٰۃ اور صوم اور حج اور صداقت اور تقریب سرست یا تحفہ علم کے شرعی آداب کیا ہیں ان کی تفصیل دوسرا باب میں ملتی ہے۔ والدین سے ملک، ازدواجی زندگی اولاد کی پروارش، دوستی، میربائی، نہایتی، سلام و کلام، خط و کتابت، کار و بار اور میں جوں کے آدات تیسرے باب میں جمع کئے گئے ہیں۔ دعوت و تبلیغ،نظم و ضبط، داعیانہ کرم دار اور قیادت و سیادت کے آداب چوتھے باب میں ہیں اور توبہ و استغفار، دعا، درود و سلام، استخارہ، اور متعدد دوسری اہم ضرورتوں کے لئے پانچواں باب مسئلہ رہا ہے۔

کس موقع پر کوئی دعائی نگی جائے، قرآن و حدیث سے کیا کیا دعائیں ہیں عطا ہوئی ہیں، اللہ کے ننانے ناموں کے پاکیزہ معانی کیا ہیں اور اہل امان کیلئے ان تفصیلات کی واقعیت اور ان پر عمل کی کوشش کس قدر مفید و با برکت ہے۔ یہ سب اس گردنامیہ کتاب کا حاصل وصول ہے۔ مؤلف کی نشر سلیمانی و روادی ہے۔ انشاء میں بخششی اور رچاؤ ہے۔ بخوبی میں سوزرا اور ناشیر ہے۔ خالتا لے غبار ہیں۔ عقائد آئینے کی طرح شفاف، نزاویہ، تکمیل، قیمت اور جذبہ خیر خواری سطح سطح سے نہیں۔

کتاب کی یہ خوبی بھی قابل ذکر ہے کہ اختتام پر حروف تہجی کے اعتبار سے فضل فہرست دیدی گئی ہے جس سے یہ علوم ہو جاتے ہے کہ کون سے موقع کی دعا کس صفحے پر نقش ہوئی ہے۔ مثلاً آپ کو جائزے کی دعا اور اذکار کی تلاش ہوتی اس فہرست میں جیسی کاغذوں دیکھ کر وہ صفحات معلوم کر لیجئے جن پر یہ مطلوب چیزوں بیان ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کو بہترین جزا دے اور تاجر کو بھی خلاج دارین سے خوازست کر کے کتابتے صرف

ظاہر ہے یہ علمی نکتہ ہے مگر اہل علم ہی علمی نکات کا
لحاظ ان رکھیں گے تو گون رکھے جائے۔

صلح پر:- من اللہ نس طبع ہوا حالانکہ نوں
پرستخ ہونا چاہئے (دَلَس) نیزِ الحصر بعید بینی و
بین خطیئتی کما بعذات میں باغیڈا اور باعذات
لکھا جانا تو اولی ہوتا۔ بخاری اور سلم نے ایسا ہی روایت
کیا ہے اور حسن حسین میں بھی ایسا ہی ہے۔

صلح سطر ۲ میں صَالَمَ أَعْلَمَ چھپا جسکے
اعلَمَ کے میم پر سکون ہونا تھا۔ چوتھی لائن میں آسٹھا کے
چھپ گیا جب کہ لام پر سپیش لازم تھا۔ اسی لائن میں اور
اس سے اکٹھی لائن میں دونوں جگہ شراب نظر آیا حالانکہ
چھینا چاہئے تھا شراب دراکی تثبید اور قاف کے زیر
کے ساتھ۔

صلح ۷۵۲ پر:- تقبلت چھپا حالانکہ تا پر زیر ضروری
نکتہ۔

صلح ۷۵۳ پر:- نماز حاجت کی دعائیں کئی غلطیاں
ہیں۔ وَعَزَّا عَمَرُ کی میم پر زیر چھپا ہے حالانکہ
زیر ہونا چاہئے۔ الْعَصْرَةُ میں الف کا زیر
غلط ہے۔ زیر ہونا چاہئے (اللَّهُ) یا اس حمد الرحمن
کے بجائے ارحم (بِسْكُونْ تَحْمِ) چھپ گیا۔

صلح ۷۶۴ پر:- حفظ قرآن کی دعائیں وَأَنْ تَطْلُونَ
لِسَانِي نظر آرہا ہے مگر ہونا چاہئے وَأَنْ تَطْلُونَ
بِهِ لِسَانِي۔

قونت نازلہ میں وَأَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنَهُمْ چھپا
ہے حالانکہ بَيْنَهُمْ درست ہوتا۔

یہ ادا تو کتاب صاحب کی جگہ جلد جلوہ گرد ہے کہ
ارقام کی تاثیر میں چھوڑ گئے ہیں۔ جیسے مُحْفِرَۃٌ
مُنْدَثُ لکھا تو مُنْدَثُ تَحْمِ پر تاثیر نہیں دی۔ یہ کسی
ان لوگوں کو تو نقشان نہیں دے گی جو ایسے ادغام کے عادی
اور اس سے واقف ہیں مگر عالمی محضرات اسے صحیح ملظ
سے یاد نہیں کر سکتے۔ وہ تا کو میتھ میں مدغم کئے بغیر

چاہئے۔ علاوہ اس کے حُرَان کی حاپر زیر دیا گیا۔ یہ غلط
نہیں ہے مگر اولی قرات جائے پیش سے ہے۔ حُرَان۔
خود اسی کتاب میں صَلَّی پر فہم قتل آن کی جو دعا دی گئی
ہے اس میں حاکم کا پیش اختیار کیا گیا ہے (حُرَانی)۔ علاوہ
اس کے ایک باریک بات یہ ہے کہ بخاری میں نظم الجبن
اس حدیث میں البخل سے پہلے ہے مگر بیان بخاری کا جو اہ
دست ہوئے بھی محل کی جبن سے پہلے رکھا گیا ہے۔

صلح ۷۶۵ پر:- معرفت درضامہ اہمیتی کی دعائیں ونجام حا
یتبعتہ فلَدَحْ وَسَحَمَتْ مُنْدَث چھپا ہے۔ یہاں صرف
کتاب اہمی غلطی کا مستملہ نہیں بلکہ علمی مسئلہ بھی ہے۔ حوالے میں
طبرانی اور حاکم کے نام دستی گئے ہیں۔ مگر ہم دیجئے ہیں کہ صد
حسن حسین نے حاکم ہی کے حوالے سے یہ الفاظ لکھے ہیں جو
وَنَجَاحًا شَبَعَهُ فَلَدَحْ وَسَحَمَتْ مُنْدَث گویا فلاد حا
وَسَاحِمَةً اَسْمَ مَفْعُولٍ مِنْ عَلَى سُؤَالِ كَمَّ اَتَى
آسٹھا (اٹھا) اور تسبیعہ باب افال۔ ہے جس کا فاعل اللہ
تعالیٰ ہے ذکر کے فلاج۔ مان لیجئے کہ طبرانی رجہہار کے سامنے
نہیں) کی روایت میں وسی الفاظ ہیں جو فاضل موقوف نے
نقل کئے تو پھر دہ اور درجہ ناقص ٹھیرے گا جو موصوف
نے کیا۔

”اوْ ایسی کامیابی چاہتا ہوں جس کے تحت آخرت
کی فلاج صال ہو؛ اور بچھے سے رحمت، سلامتی،
گناہوں کی معافی اور تیری رضا کا طالب ہوں۔“
اس ترجیح میں صرف فلاج کو تسبیع کا فاعل بنایا
لیا ہے مگر رحمت کو مفعول ہی رکھا گیا ہے اس رحمت کی تقدیم
بتنوں مرفاع (وَ) نہیں تنوں منصوب (وَ) آنی چاہئے
ہی جمفوں کی علامت ہے۔ بصورت مرفاع ترجیح ہیوں
وَ تا ہے۔

”اوْ ایسی کامیابی چاہتا ہوں جس کے تحت آخرت
کی فلاج اور تیری رحمت شامل ہو اور بچھے سے
سلامتی، گناہوں کی معافی اور تیری رضا کا
سائل ہوں۔“

میں بھی ہو۔ یہ داغ صفحہ ۲۸ پر نظر آیا۔
 ”مطلب یہ ہے کہ آپ ان کو بھیں۔ ان کی
 جذب کریں۔ ان تقاضوں پر عمل کریں۔“
 ظاہر ہے کہ خط کشیدہ جملہ کتابت و طباعت کے
 کسی مرحلے میں زخمی ہو گیا ہے۔
 حامل تبصرہ یہ ہے کہ مذکورہ بالانواع کی سلوٹیں نہ
 ہوں تو یہ کتاب نہایت مفید کتاب ہے۔

حفظکریں گے۔
 مقصود تمام طباعتی نفactual کی نشانہ ہی نہیں۔ یہ
 افلاط بطور نمونہ ہیں تاکہ ان سے سبق لیکر صحیح نام اشر
 اگلے ایڈیشن میں ذرا دیدہ ریزی کے ساتھ پھر جمع کرائیں۔
 اور دوسری ذریعہ کتابوں پر بھی خصوصی توجہ صرف
 کریں۔
 ویسے اس کتاب کی اُردو میں طباعتی غلطیاں قابل
 رشد حد تک کم ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ داغ تو چاہدے

دو اہم سوال

- ① عصر جدید کی کاروباری حصہ و فیض اور معاشرتی زندگی میں تن رستی کو برقرار رکھتے ہوتے
 کیسے کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔
- ② ناجمی۔ خراب ماحول اور غلط سوسائٹی کے سبب جن نونہالان وطن نے اپنی محنت کا ستیا
 ناس کر لیا ہے اور ایسے امراض کے چینگل میں پھنس گئے ہیں جو ان کو روز بروز مکروہ بنارہے ہیں وہ
 اپنی بگڑتی محنت کیسے سنبھالیں اور ان تباہ کن امراض سے کس طرح چھپکارہ حاصل کریں۔
 دونوں سوالوں کے جواب گیئے

۱۔ محافظہ شباب ۲۔ مفت

منگا کر پڑھئے

محافظہ شباب۔ نہایت کار آمد شائستہ لطیر چہرے۔ یہ اُن مالیوں نوجوانوں کے لئے ترتیب
 دیا گیا ہے جو قبل از وقت بوڑھے ہو چکے ہیں اور جوانی کی لذت اور صحبت صیبی بیش قیمت نہیں۔
 صحیح ہو سکتے ہیں۔ اس میں کامیاب اور آسان اصولی طریقہ بھی لکھا گیا ہے جس کے ذریعے کم خرق اور
 تھوڑی لذت میں زندگی سے مالیوس خود کشی پر آمادہ مرضیں صحبت یا ب ہو چکے ہیں۔

* * *

حکیم ایم چنیعیم زبری ٹاؤن امر وہہ - ضلع مراد آباد

متلاش راہت

اسعد گیلانی کی زبان میں ایک روراد، مولانا سید سلیمان ندوی مولانا اشرف علی تھانوی؟ مولانا مناظر احسن گیلانی مولانا منظور نعماں، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی میان طفیل محمد، چودھری علی احمد، قیمت، دورہ پے ۲/-

حکایات جنوں اور دوسرے افسانے

از۔ اسعد گیلانی، قیمت دورہ پے ۲/-

مولانا مودودی اور تصوف

کہ مولانا مودودی تصوف کے دشمن ہیں، اس الزام کی پوسٹ کندہ حقیقت خود مولانا کی اپنی تحریروں کے آئینے میں ملاحظہ فرمائیے۔ یہ کتاب آپ کو بتائیں گے کہ مولانا کس تصوف کے دشمن اور کس تصوف کے حامی ہیں۔ قیمت مجلد ۲/-

میلاد المفت بی

حضر صتلی اللہ علیہ وسلم کی مسیو طاویل مولانا اشرف علی تھانوی کے مسیو طاویل مولانا معاون کا مجموعہ صفحات ۱۰۰ قیمت بارہ روپے ۱۲/-

تفسیر سیان القرآن

مولانا اشرف علی تھانوی کی مشہور زمانہ تفسیر۔ مکمل و مجلد ۶۳/-

تفسیر ابن کثیر کامل ارجو

علامہ ابن کثیر تفسیر جو، آپ ۳۲ قسطوں میں مکمل ہو گئی ہے۔

قسط دو روپے ۲/-۔ مکمل بلاحدہ رعایتی قیمت ۷/-

محلہ رویجہ میں ۶۵/-

رہیا و آخرت

چند اثر انیجڑ موعظ جو، دضرع نام سے ظاہر ہے۔ مکمل مجلد ۱۰/-

سوائی قاسمی

مولانا مختار احسن گیلانی کے قلم سے عالم ریاضی اور فاضل جل علم فضل، فراسیت ایمانی، حزبِ پیغمبر، اخلاق فاضل اور دینی و ملی خدمات کا سیر حاصل تذکرہ۔ تین جلدی میں مکمل۔ قیمت ۱۲/-

داگر ہر جلد چاہیں تو جلد ڈیڑھ روپیہ، یعنی یعنی جلدوں کے سارے چار روپے ڈھالیں)

مسند امام عظیم

فقہ حنفی اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کتنا گہرا اور بینا دی ربط ہے ۵۲۳ احادیث کا ذخیرہ فقہی تریک پر جمع کیا گیا ہے جس سے ہر خاص دعا کو مطلوب سکلے دیکھنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔ کتاب کے آغاز میں مولانا عبد الرشید تھانی کا لاجواب مقدمہ بھی ہے اور قاری احمد کے علم سے امام البخاری کے حالات بھی ایک کام میں عربی مع اعراب اور دوسرے کام میں اردو ترجمہ۔ قیمت مجلد ۱۰/-

نفس من اظره

ستی، شیعہ مباحثت میں ایک بیش بہا کتاب جو عقائد ایں سنت کی صحت اور عقاید شیعہ کی سقم و ضعف کو روشن دلائل کے ذریعہ ذہنوں میں اتارتی ہے۔ طرز تحریر سلسلیں اور لچک پر چھک لب دلچھک شایان شان۔ استدلال علمی مکمل عام فہریں ۱۰ جلد اول خلافت دامت اور قصہ قرطاس کی بخشی پر عمل ہے۔ قیمت مجلد پانچ روپے، جلد دو میں تذکرہ النساء اور سب بیان غوث پاک سے تعلق ہے قیمت مجلد ۱۰/-، قابل دید کتاب ہے۔

اسلامیت کے برکات

ہر ضرورت میں کام آتے والی پاکیزہ دعاؤں مظاہر اور نقوش کا ولپیڈر جمیعہ۔ جو ہر خاص دعا کے لئے مفید ہے۔ مجلد تین روپے

الاِحْكَامُ السُّلْطَانِيَّةُ اپايجیں صدی تھجی کے دو تقریب
فائز ندان المادردی کی مقطیہ
تصنیف جس میں سیاست، معاشریات فقہ اسلامی پر سیاست
گفتگو کی گئی ہے۔ تحریر و اسناد اور اسیں قیمت گیارہ روپیہ - / ۱۰
عِلْمُ الْكَلَامِ أَوْرَ الْكَلَامِ کلام کی ابتداء، عہدہ بعد اس کی
اور علم کلام کے شعبوں پر ناقہ اذن کلام، علامہ شبی نعالیٰ حکماۃ
زرنکار سے۔ قیمت گیارہ روپیہ - / ۱۱

حَكَایَاتُ اَدَلِیَّاَرِ تالیف بیو لانا اشرف علیؒ۔ اس
خاندان کے بزرگوں اور علمائے دیوبند کے اکابر علماء کی کھاتا
اور حالات دکوالف جمع کئے گئے ہیں قیمت۔ چھ روپیہ - / ۱۲
مُسَكِّنُهَايَاتِ نَكَّ ایک میں شائع شدہ ملا این العربی
شکل میں حصہ اول جلد - / ۱۳، حصہ دم زیر طباعت
مَقْرُدَاتُ الْقُرْآنِ قرآنی الفاظ کی شرح تو ضمیح پر امام
بڑی بڑی تفاسیر کیلئے بنیادی درجہ رکھتی ہے، اردو ترجمہ کے
ساتھ قیمت - / ۱۴ سنتا ایڈیشن - / ۱۵

اَهْلُ بَيْتٍ اُوْرَ اَهْلِ سُلْطَنَتٍ ایں فکر آفرین کتاب میں
کی لشان ندی گئی ہے جوانی سے اہل بیت رسول کے باب
بیں ہوئیں۔ قیمت ایک روپیہ - / ۱۶
طَبَّ تَبَوُّى کیلئے احادیث میں جن دو اؤں اور جس
طریق علاج کا ذکر آیا ہے اسے ماضی میں کتابی شکل دی
گئی تھی۔ اب بھی کتاب زبان و بیان کے تازہ اسلوب
کے ساتھ پیشی خدمت ہے۔ قیمت مجلد - / ۱۷

مُكْتَبَہِ بَحْلَیٰ دِلْوِینَدِ (یونی)

زَادُ الْمَعَادِ ابن تیمیہ کے شناگر درشید علامہ
ابن القیم کی یہ کتاب سیرت رسول اور
اس کے متعلقہ گوشوں پر دنیا کی معیاری کتابوں میں شمار
کی گئی ہے علم و معارف کا خزانہ، اس کا مکمل اردو
ترجمہ چار جیخ جلدوں میں حاضر ہے۔ ۱۸/۲/۲۰۰۷ء
مَوْطَأً اَمَّاَمَ مُحَمَّدٍ ایک ہزار سے زائد احادیث کا
اوہ مستند ذخیرہ ہے امام محمد
اماں مالک سے روایت کیا ہے ترجمہ فارسی کیا تھی قیمت - / ۱۹
آثَارُ اَمَّاَمَ مُحَمَّدٍ وَ اَمَّاَمَ اَبِي يُوسُفَ ایک دویں القدر
شاگردوں کے آثار و اخبار حالات و سواب اور اجتنباد
فتاویٰ جو ساری دنیا میں خوبی اماں ہی کی حیثیت سے مشہور
ہوئے ہیں، اہل ذوق کیلئے یہ کتاب تحقیر نادرتہ قیمت ۱۵/۱۳
مُرْكَبَةُ الرُّفْسِ تالیف ترکیہ نفس کی حقیقت اور وہ کس طرح
حاصل کیا جا سکتا ہے، اعلیٰ جدید ایڈیشن قیمت چھ روپیہ
الْمُنْتَقَىُ اَدَدُ ایک شیعہ علمی نئے منہاج الکرامۃ کے
ناکے ایک کتاب تصنیف کی تھی جس میں
صحابہ کرم کا بیان دیتے کاریکار ڈلڑ دیا گیا تھا، شیعہ الاسلام
اماں ابن تیمیہ نے اپنے حیرت انگر علم تفقہ کی روشنی میں اس کا
جو اب کھا جو "منہاج السنۃ" کے نام سے مشہور ہوا۔ جس کی
ضخیامت بہت تھی۔ اس لئے شیعہ الاسلام کے شناگر درشید
ذہبی نے "المنتقى" کے نام سے اس کی تلخیص کی اور اسی
تلخیص کا اردو ترجمہ ہم آپ کو پیش کر رہے ہیں بشیعہ سنی
کے اختلافی مسائل پر عظیم تکالیف جواب نہیں رکھتی قیمت مجلد - / ۲۰
الْتَّشَرُّفُ مَعْرُوفٌ بِاَحَادِيثِ التَّصُوفِ امام بجا کہ
ہے تیکن تصنیف اردو ترجمہ کی ہے حکم الامانت مولانا اشرف علیؒ
نے اس جلیل القدر کتاب میں تصوف کی حقیقت اس سے
متعلق احادیث و مسائل اور تصوف کی تاریخ پر لذتی
ڈالی ہے۔ قیمت یارہ روپیہ - / ۲۱

مولانا محمد احسن نانو توئی ایک ایسے بزرگ کا محققانہ تذکرہ

زمانہ بھلنا جا رہا ہے، تذکرہ نگار جناب محمد الیوب قادری نے پہنچنے والے تلاش، سلیقہ ترقی اور حسن بیان سے جو اعتماد اور حسن ظن لٹریری حلقوں میں پیدا کیا ہے اس میں یہ تذکرہ اضافہ کرتا ہے۔ قیمت - ۲/-

حضرت تھانوی اور اعلیٰ حضرت حفظ الایمان

اعترافات کا جواب ممکن و ممکن اور لذتیں طڑپ، اسی کے ساتھ بریلوی نہریب کی عبرت آموز تصویر اور رذیلیت کے لئے مستحب دستاویز قیمت ۱/۵
سیاست شریحیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی شہرہ آفاق کتاب کا ترجمہ، یہ نادر اور قدیم کتاب آپ کو بتائے گی کہ اسلامی شریعت میں سیاست کی کیا خیلیت ہے۔ اور قرآن و سنت کی توضیحات اس باب میں کو تعلیمات پر مشتمل ہیں۔ قیمت جلد - ۶/-

حضرت بابا فرید الدین ریح شکر

سالوں صدی تھری کے مشہور ترین بزرگ کا حصہ تذکرہ جنہیں عوام و خواص کیجئے شکر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ قیمت چھ روپے ۶/-

عرب کا چاند ایک تاریک غارمیں

نذرست میرٹھی کے نعتیہ کلام کا دلاؤری جموجمعہ نذرست ایک اوپنے درجے کے شاعر تھے۔ ان کے اشعار میں پختگی ہے، ارجاؤ ہے، رد افی ہے اور بے ساختگی ہے۔ اہل ذوق لطف اھٹا تھیں قیمت ۱/۵۔ جلد ۵/۱

تذکرہ علمائے ہند

مرتبہ ترجمہ: جناب مولوی رحمان علی سات سو سے زائد صفحات کی یہیش قیمت نظری تھا ب تذکرہ سگاری کے باپ میں ایک شاندار اضافہ کرتی ہے، تحقیق تلاش اور ریزی و کاوش کا شاہینکار قیمت جلد - ۱۵/-

کیاجما عکتِ اسلامی حق پر ہے ہا

اوپر فصلے ایک اہم کتاب جو مختلف دعوافت ہر ایک کے لئے مقید اور دلچسپ ہے۔ قیمت تین روپے - ۲/-

اسلام کا نظامِ امن

"جہاد" کی آڑ کے اسلام کے دشمنوں نے بدآمنی، فتنہ ایگزی، خون آشامی اور تقام پیشی کے جواہر اسلام کے خلاف گھڑے ہیں ان کا تسلی سچش جواب، قرآن و سنت اور ادعیات و حقائق کی روشنی میں۔ قیمت - ۱/۵۔

اصلاح الرسوم

مسلمانوں میں جو فضول رسید و اوج پا گئی ہیں ان کی تردید و نہ مٹت میں مولانا اشرف علی تھانوی کی مشہور کتاب

قیمت جلد ۱/۲۵

اصلاح معاشرہ میں نماز کا مقام

پرہبہت کتابیں ہیں لیکن اس کتاب کا احتیازی وصف ہے کہ نماز کے علمی پہلوؤں کے بجائے اس میں علمی گوشنہ پر گہری توجہ صرف کی گئی ہے۔ یہ گویا علمی تحریکات کا قیمتی آئینہ ہے۔ نظر ثانی شدہ ایڈیشن سے فائدہ اٹھایا جائے۔ قیمت ۱/۵۰

معجزہ کیا ہے ہا

معجزے کی تحقیقت اور تحریک طسم وغیرہ سے اس کے امتیاز پر ایمان افراد کتاب قیمت ایک روپیہ چھیس پیسے ۱/۱

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مکمل محتوب [فقہی ترتیب ۱۰]
جده داہریش

دارالعلوم کے صد سال دوڑ کاشاہکار روحانی ہزار سے زائد ایسے سائل ہو گئے افسوس اور عبادات فقہی کے ساتھ مغلیں بزرگی کے شعبہ کی نشویں سے مختلف سائل کا یہ ذخیرہ و اس قابل ہے کہ تمام موسوں خانقاہوں، لاہوریوں اور بیرونیوں کو اپنیں برائے سلطانیہ کیا جائے۔ باہمی خشماد پیروزیں جس بہترانہ دارالعلوم دیوبندی شامل ہے۔

یہ محتولیت پار بندیں میں کہیں روپے (محلہ پوریتی روپے)

اشرفتیہ رہی زیور مکمل مدت میتھی [ہر طرح کاملاً سمجھی] مل ہاتھیے نہ ہائے باکل عام فہم، خوشیں اور بچپان تک فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔ دو بندیں میں سکھل، باہر روپے (محلہ پوریتی روپے)

قصص الاولیاء [معنی نزہت الباتین اور دو، ارجمند اور حکیم جس میں اولیاء، ائمہ علما، رسل، مسلمانوں کیں بن کر تیرہ سو سے نایم بحکایات دلکشیات درج ہیں۔ باپت حصوں میں ل جست دو روپے

غیرت کیا ہے؟ [غیرت کو دیانت نہ ہے۔ اپنے بھائی کا گوشت کھائے تو بیرکت ہے دیکھ لیا۔ اس کی کتنی شاپیں اور فیضیں ہیں۔ اس سے مختلف فقہی احکام کیا ہیں۔ ایسے تمام سروں کے جواب قرآن و محدث اور اقوال سلفت کی روشنی میں۔ تمدن روپی پیاس پیئے۔

براہین قاطعہ [بدھات لے دو میں ایک شہرہ آفاق تاب طریقہ کی مروجہ مہتوں کے حق بیوح و اعلیٰ بدعت دیتے رہتے ہیں ان کا لا جواب رد اور صحیح عقائد کا بسان پانچ روپے

مفید کتابیں

ایک عام فہم اور ملیٹس تصریح مسلمانوں کی ضروریات کے لیے اپنے مفید کار آہے۔

چند اہم خصوصیات

(۱) حضرت مولانا اثرن علی صاحب تھانوی نے شروع سے اُندر کر رہا تھا لاظھرنے والے (۲) تفسیر کے ان وسائل سے جو کو مولانا تھانوی نے تحریر فرمائے ہیں اس کی فائدت میں اضافہ بر گیا ہے (۳) مولانا تھانوی نے اس تفسیر کی اخراجی و انتیازی خصوصیات پر عمل ایک تقریباً بھی تحریر فرمائی ہے۔ مددیم، فی پارہ ڈیپھر دیپھر۔ مکمل بیٹھ ۳۰ روپے۔

تاریخ اسلام مکمل دینی چھانچی حصص [ماشی اپنی برائی] چاہے فرم میں کی نہو سے وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک کے تمام حالات داعیانہ تھیں یا ملیٹس اور شریں انہا میں۔

یہ ملیٹس معرفت کی نظر ثانی اور تی ترتیب کے مطابق ہے جس میں شدہ صاحبوں کے اصناف کے طلودہ مکتبات بہری گوشہ ایں واقع کی ہائے گئے تھے سادہ و تحریر موجود ہیں۔ ہمیں خوشما جس میں ناصر مبارک کا عکس بھی مٹا لی ہے۔ بلا جلد تجھ روپے (رجدہ ساری حصے سات روپے)

کمال الدین مترجم و شرح اورہ جلال الدین [استاذ تفسیر دارالعلوم دینہ

لیکچر شہرور ترین تفسیر ختم تفسیر دوں کا غلام صد عطہ طے۔

خصوصیات۔ (۱) اصل عربی متن ح اور ب (۲) متن کے پیچے عالم فہم اور دو ترجمہ۔ (۳) ترجمہ کے بعد متعدد تھانیہ شاخ تفسیر کی ہے۔ کشافت، مردح، ابیان ایں کی شیوه تفسیر میثہری، بیان القرآن وغیرہ کے محتوى بھانیں (۴) عکس اذان سے مختلف دو رضاصر کی تحقیق (علمی اطاعت اور قرآنی بحکات) (۵) شان نزول (اظہارات بلاغت دار المطب قرآن پلیٹ فہرستہ وغیرہ)، صحیح عقائد و سکن کی ترجیح فی الاذان پر کل میں اولادی و درجہ بھی نہیں۔ باقی ہر پڑھوں مصلحت پیٹے

مکتبہ تجلی۔ دیوبند (یو۔ پی)